محاسنِ کنزالایمان

از
ملک شیر محمد خاں اعوان آف کالاباغ

رضا اکیڈمی (رجسٹرڈ)

لاہور ــــ پاکستان

محاسنِ کنزُالایمان

جس میں

اعلیٰحضرت مولانا شاہ احمد رضا بریلوی علیہ الرحمۃ کے
ترجمہ "کنزالایمان فی ترجمۃ القرآن" کے علمی،
ادبی، لغوی اور اعتقادی محاسن بیان کئے گئے ہیں۔

از
ملک شیر محمد خاں اعوان آف کالاباغ

سلسلہ مطبوعات ــ رضا اکیڈمی رجسٹرڈ لاہور،

کتاب ــــــــــــ محاسن کنز الایمان

مؤلف ــــــــــــ ملک شیر محمد خان اعوان مرحوم

نظر ثانی ــــــــــــ مولانا محمد منشا تابش قصوری

ناشر ــــــــــــ رضا اکیڈمی رجسٹرڈ۔ لاہور

ہدیہ ــــــــــــ دعائے خیر بحق معاونین رضا اکیڈمی لاہور

مطبع ــــــــــــ سجاد آرٹ پریس

ملنے کا پتہ

رضا اکیڈمی۔ مسجد رضا۔ محبوب روڈ چاہ میراں لاہور

نوٹ : بیرونی حضرات تین روپے ڈاک ٹکٹ بھیج کر حاصل کریں

سخنہائے گفتنی

اسلام کے پورے اعتقادی اور عملی نظام میں پہلی اور بنیادی چیز قرآن حکیم ہے باقی تمام عقائد و اعمال اسی اصل سے ماخوذ ہیں اور جتنے اخلاقی احکام اور معاشی و معاشرتی ضوابط ہیں سب اسی مرکز سے ہدایات حاصل کرتے ہیں۔ یہ وحی، کتاب کی شکل میں آج بھی ہمارے پاس محفوظ ہے جو زندگی کے ہر شعبے میں مسلمانوں کے لئے ہدایت و رہنمائی کا سرچشمہ ہے۔

قرآنِ حکیم کا فیضان زمان و مکان کے اندر محدود نہیں اس سے ہر شخص خواہ وہ کرۂ ارض کے کسی حصہ پر آباد ہو، کسی دور میں زندگی بسر کرے یکساں طور پر ہدایت حاصل کرنے کا حق رکھتا ہے اور حقائق و معارف سے مستفیض ہو سکتا ہے اس لئے قرآن کا سمجھنا اور سمجھ کر اس سے اپنی زندگی کے ہر مرحلہ میں رہنمائی حاصل کرنا ہمارا اوّلین فرض ہے۔ قرآن نے اپنے نزول کی غرض و غایت یہ بتلائی ہے

كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ مُبٰرَكٌ لِّيَدَّبَّرُوْٓا اٰيٰتِهٖ وَلِيَتَذَكَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ ۝ (صٓ - ۲۹)

"یہ ایک کتاب ہے کہ ہم نے تمہاری طرف اتاری، برکت والی تاکہ اس کی آیتوں کو سوچیں اور عقل والے نصیحت پائیں۔"

ایک دوسری جگہ فرمایا ہے:

اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ اَمْ عَلٰى قُلُوْبٍ اَقْفَالُهَا ۝ (محمد - ۲۴)

ترجمہ: "تو کیا وہ قران کو سوچتے نہیں یا بعضے دلوں پر ان کے قفل لگے ہیں"۔

اسی مضمون کی بے شمار آیات ہیں جو قرآن میں تدبر و تفکر کی دعوت دیتی ہیں۔ اس لئے ہر ایک مسلمان کا فرضِ اولین ہے کہ قرآنِ کریم کو خود پڑھے اوروں کو پڑھائے، خود سمجھے دوسروں کو سمجھائے، خود عمل کرے دوسروں سے عمل کرانے کی جد وجہد کرے۔ قرآنِ حکیم چونکہ عربی مبین میں ہے اور ہر آدمی عربی کا فاضل نہیں ہوسکتا۔ اس لئے دوسری زبانوں میں اس کا ترجمہ کرنا ناگزیر ہے اور پھر ترجمہ کی مشکلات کا اندازہ حسب ذیل واقعہ سے کیا جا سکتا ہے۔ جناب ملا واحدی صاحب لکھتے ہیں کہ:

"سلطنت حیدرآباد دکن کے آخری سلطان نظام الملک ہفتم میر عثمان علی خاں کے پاس ایک صاحب تھے جنہیں آج سے چالیس پچاس برس پہلے دو ہزار روپے ماہوار تنخواہ ملتی تھی۔ ان کا کام فقط یہ تھا کہ جسے میر عثمان علی خان زبانی پیغام بھیجنا چاہیں اسے وہ اس طرح پہنچادیں جس طرح میر عثمان علی خاں نے پیغام دیا ہے۔ پیغام سناتے وقت پیغام پہنچانے والے صاحب پر ان کیفیات کا طاری ہونا ضروری تھا جو پیغام بھیجتے وقت میر عثمان علی خاں پر طاری ہوتی تھیں۔ میر عثمان علی خان خوش ہو کر کوئی بات کہتے تو وہ بھی خوش ہو کر اُسے نقل کرتے۔ میر عثمان علی خان بگڑ کر، تیوری چڑھا کر بات کرتے تو وہ بھی بگڑ بنتے اور تیوری چڑھاتے۔ الفاظ کا بدلنا تو ممکن ہی

نہیں تھا۔ لہجہ اور طرزِ کلام بھی میر عثمان علی خان کا رہتا تھا ۔ مخاطب
جان جاتا تھا کہ مجھ پر عنائت ہوئی ہے یا عتاب ہوا ہے ۔"

ایک انسان کی بات دوسرے انسان کو من و عن پہنچانی کس قدر مشکل تھی
یہ اللہ کا فضل ہے کہ اس نے اپنا پیغام اپنے الفاظ اور اپنے لہجے میں محفوظ کرا دیا اور
اس کی دائمی حفاظت کا وعدہ فرمایا۔ جو لوگ قرآن مجید کو قرآن مجید کی اصل زبان عربی میں سمجھتے
ہیں، انہیں معلوم ہے کہ قرآن مجید کے ترجمے اصل زبان عربی کا بدل نہیں ہیں ۔
قرآن مجید کی عربی کی عربی میں بھی تفہیم کی جائے یعنی قرآن مجید کی کسی آیت کا مطلب
کوئی عرب اپنی زبان میں بھی بیان کرے تو وہ کیفیت باقی نہیں رہے گی جو قرآن مجید
کی عربی میں ہے پھر دوسری زبان میں ترجمہ تو اصل کیفیت کو بالکل کھو دیتا ہے لیکن
چارہ ہی کیا ہے ۔

جب ہمارے ہاں ہندوستان میں عربی جاننے والے ختم ہو گئے تو مولانا شاہ
ولی اللہ محدث دہلوی کو قرآن مجید کا ترجمہ فارسی میں کرنا پڑا۔ ہندوستان کے دیگر
علماء ترجمہ کرنے کے خلاف تھے مگر مولانا شاہ ولی اللہ دُور اندیش تھے
انہوں نے اچھا کیا کہ قرآن مجید کے سمجھنے کا کچھ تو سامان کر دیا۔ اللہ تعالیٰ نے ان
سے یہ خدمت انجام دلا دی، ان کے بیٹوں شاہ رفیع الدین اور مولانا شاہ عبدالقادر
نے دیکھا کہ فارسی بھی ہندوستان میں چند دن کی مہمان ہے۔ لہذا مولانا شاہ
رفیع الدین نے قرآن مجید کا اردو میں لفظی ترجمہ کر ڈالا (لفظ کے نیچے لفظ)
اور مولانا شاہ عبدالقادر نے با محاورہ ترجمہ کیا۔ دو سو برس قبل کی با محاورہ اردو
ہیں، لیکن زبان و بیان کی قدامت کے باعث ان ترجموں سے اردو خوان طبقہ
کے لئے استفادہ ممکن نہیں تھا۔ علاوہ ازیں "تقویت الایمان" کے مکتبۂ فکر کے
علماء نے اپنے عقائد کے مطابق ان ترجموں میں کہیں کہیں تصرف بھی کر دیا تھا۔

ان ترجموں کے بعد ڈپٹی نذیر احمد دہلوی کا ترجمہ قرآن مجید شائع ہوا۔ لیکن انہوں نے ترجمہ میں جا بجا محاورات گھسیٹ کر قرآنِ حکیم کے مطالب کو ہی گم کر دیا اور اکثر مقامات پر اپنے نیچری خیالات کو بھی داخل کر دیا۔ اندریں حالات ملت اسلامیہ کے لئے قرآن مجید کے ایک صحیح، سلیس اور با محاورہ ترجمہ کی اشد ضرورت تھی۔ آخر اس ضرورت کو احسن طور پر پورا کرنے کی سعادت اعلیٰحضرت مولانا شاہ احمد رضا خاں بریلوی کو نصیب ہوئی۔ اعلیٰحضرت بریلوی نے ۱۳۳۰ھ / ۱۹۱۱ء میں قرآن مجید کا جیتا جاگتا اردو ترجمہ پیش کیا۔ مولوی محمود الحسن کا ترجمہ ۱۳۳۸ھ / ۱۹۱۹ء میں مکمل ہوا۔ اور ۱۳۴۲ھ / ۱۹۲۳ء میں منظرِ عام پر آیا۔ مولوی اشرف علی تھانوی، ابوالکلام آزاد، مولانا عبدالماجد دریابادی اور سید ابوالاعلیٰ مودودی کے تراجم (مع تفسیر قرآن) تو بہت بعد کی چیزیں ہیں۔

اعلیٰحضرت مولانا احمد رضا خاں کا ترجمۂ قرآن کس طرح عالمِ وجود میں آیا۔ اس کی تفصیل اعلیٰحضرت کے سوانح نگار مولانا بدر الدین احمد رضوی کی زبان سے سنیئے :-

"صدر الشریعہ حضرت مولانا امجد علی اعظمی علیہ الرحمۃ نے قرآن مجید کے صحیح ترجمہ کی ضرورت پیش کرتے ہوئے اعلیٰحضرت سے ترجمہ کر دینے کی گزارش کی۔ آپ نے وعدہ فرما لیا۔ لیکن دوسرے مشاغل دینیہ کثیرہ کے ہجوم کے باعث تاخیر ہوتی رہی جب حضرت صدر الشریعہ کی جانب سے اصرار بڑھا تو اعلیٰحضرت نے فرمایا چونکہ ترجمہ کیلئے میرے پاس مستقل وقت نہیں ہے اس لئے آپ رات میں سونے کے وقت یا دن میں قیلولہ کے وقت آجایا کریں۔ چنانچہ حضرت صدر الشریعہ ایک دن کاغذ، قلم اور دوات لے کر اعلیٰحضرت کی خدمت میں

حاضر ہو گئے اور یہ دینی کام بھی شروع ہو گیا۔

ترجمہ کا طریقہ یہ تھا کہ **اعلیحضرت** زبانی طور پر آیات کریمہ کا ترجمہ بولتے جاتے اور **صدر الشریعہ** اس کو لکھتے رہتے لیکن یہ ترجمہ اس طرح پر نہیں تھا کہ آپ پہلے کتب تفسیر و لغت کو ملاحظہ فرماتے بعدہٗ آیت کے معنی کو سوچتے پھر ترجمہ بیان کرتے بلکہ آپ **قرآن مجید** کا فی البدیہہ برجستہ ترجمہ زبانی طور پر اس طرح بولتے جاتے جیسے کوئی پختہ یادداشت کا حافظ اپنی قوت حافظہ پر بغیر زور ڈالے **قرآن شریف** روانگی سے پڑھتا جاتا ہے پھر جب حضرت **صدر الشریعہ** اور دیگر علمائے حاضرین **اعلیحضرت** کے ترجمے کا کتب تفاسیر سے تقابل کرتے تو یہ دیکھ کر حیران رہ جاتے کہ **اعلیحضرت** کا یہ برجستہ فی البدیہہ ترجمہ تفاسیر معتبرہ کے بالکل مطابق ہے الغرض اسی قلیل وقت میں یہ ترجمہ کا کام ہوتا رہا۔ پھر وہ مبارک ساعت بھی آگئی کہ حضرت **صدر الشریعہ** نے **اعلیحضرت** سے **قرآن مجید** کا مکمل ترجمہ کرالیا اور آپ کی کوشش بلیغ کی بدولت دنیائے سنیت کو **کنز الایمان** کی دولت عظمیٰ نصیب ہوئی۔"

(سوانح اعلیحضرت امام احمد رضا صفحہ ۲۷۴/۲۷۵)

تعارف صاحبِ کنز الایمان

عمرہا در کعبہ و بت خانہ می نالد حیات
تاز بزمِ عشق یک دانائے راز آید بروں

اس جہانِ رنگ و بو میں چاند لاکھوں بار کرۂ ارض کا طواف کرتا ہے اور سورج کروڑوں مرتبہ حجلۂ مشرق سے جھانکتا اور خلوت کدۂ مغرب کی کاجلی تاریکیوں میں اپنا چہرہ چھپا لیتا ہے۔ تب کہیں تاریخ کے صفحات میں کوئی ایسی شخصیت ابھرتی ہے جس پر کائنات کے پردۂ زنگاری میں محتجب مبدء فیاض اپنی بے اندازہ نوازشیں بکھیر دیتا ہے اور اس محبوبِ دلنواز کے حسن و جمال کے فدائی اُس شخصیت کے قدموں پر عقیدتوں کے نذرانے بچھا دیتے ہیں۔ بلاشبہ تاریخ ایسی شخصیتوں کو پیش کرنے میں بالکل تہی دامن اور مفلس نہیں رہی لیکن یہ بھی ایک برہنہ حقیقت ہے کہ اس کے پاس ایسا سرمایہ نادر و نایاب کی حد تک قلیل ہے۔ بیسویں صدی عیسوی کی پوری تاریخ چھان ڈالئے۔ آپ کو صرف ایک ہی ایسی شخصیت نظر آئے گی جس نے فقہی فضیلت اور علمی کمال کے ساتھ ساتھ دینی و ملی خدمات کی سرانجام دہی میں مؤثر ترین کردار ادا کیا اور یہ شخصیت اعلیحضرت بریلوی علیہ الرحمۃ کی تھی۔ سلف صالحین کا

دورِ نو آفتاب و ماہتاب کا دور تھا لیکن متاخرین کا دور بھی مولانا شاہ احمد رضا خان کے علمی کارہائے نمایاں پیش کر کے اپنے ماتھے سے کم مائیگی کا داغ دھو سکتا ہے۔

۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی کے بعد مسلمانانِ ہند صرف میدانِ جنگ میں ہی نہیں بلکہ میدانِ علم و حکمت میں بھی انگریزی علوم سے شکست کھا چکے تھے اس وقت مغربی علوم سے مرعوب ذہنیتیں جنم لے رہی تھیں۔ مغربی علوم کا سیلِ بلا احصار اسلام کی بنیادوں سے ٹکرا رہا تھا اور ادھر صورتِ حال یہ بھی کہ جن لوگوں کا فریضہ مدافعت بھی وہ خود بے بس تنکوں کی طرح اس سیلاب کے تندریلوں کے ساتھ بہہ رہے تھے اور دوسروں کو بھی یہ تلقین کر رہے تھے کہ :-

"دُرْمَعَ الدَّهرِ کَیْفَ یُدَار"

"چلو تم اُدھر کو ہوا ہو جدھر کی"

اس وقت اعلیٰحضرت بریلوی کے علم و دانش نے زبان و قلم کے ہتھیاروں سے تجدّد کی فتنہ انگیز تحریک کے خلاف صف آرائی کی اور تاریخ آج تک شہادت دے رہی ہے کہ اس منہ زور تحریک نے علم کے اسی بحرِ زخّار کے سامنے دم توڑ دیا۔ وہ معارف قلب و روح کے ساتھ ساتھ علوم عقلی و نقلی میں بے مثال مہارت کے حامل تھے مسلمانانِ پاک و ہند کے سوادِ اعظم کو ۱۸۵۷ء میں مولانا فضل حق خیرآبادی اور دیگر علمائے اہلِ سنت کے فتویٰ جہاد کے بعد آپ ہی کی تحریکِ عرفانِ رسالت نے مجتمع کیا تھا۔ ہیئت اجتماعیہ اسلامیہ کی از سرِ نو تنظیم کا صلہ وہ تاجِ عظمت و کرامت ہے جو اعلیٰحضرت کے لقب کی صورت میں آپ کے فرقِ مبارک پر زینت افروز ہوا۔

منعمِ حقیقی نے انتہائی فیاضی سے انہیں بے مثال قابلیت، فہم و ذکا، بے نظیر

حافظہ، فصاحت و بلاغت اور سروریٔ قلم و بیان کی اعلیٰ صلاحیتوں سے نوازا تھا۔ دینی علوم میں آپ کی مسلمہ مہارت تو خیر ایک حقیقت ثابتہ شمار کی جاتی ہے لیکن ریاضی، تکسیر اور نجوم وغیرہ علوم دنیوی میں بھی آپ کو وہ تبحر حاصل تھا کہ ان علوم کے ماہرین اپنے اشکالات کا جواب حاصل کرنے کے لئے اس منبع علم و حکمت کی بارگاہِ دانش کے محتاج رہتے تھے۔

مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے سابق وائس چانسلر ڈاکٹر سر ضیاء الدین مرحوم ریاضی کے معروف و مسلّم ماہر شمار کئے جاتے تھے۔ وہ بعض مسائل ریاضیہ کے سلسلہ میں بہت سی الجھنوں میں مبتلا تھے۔ انہوں نے مولانا سید **سلیمان اشرف** کے توسط سے **اعلیٰحضرت** کے حضور میں شرف باریابی حاصل کیا۔ نمازِ عصر کے بعد سلسلۂ گفتگو کی ابتدا ہوئی۔ آپ نے اپنا ایک قلمی رسالہ جس میں مثلث اور دائرے کی مختلف اشکال کے ادق مسائل تحریر تھے۔ ڈاکٹر صاحب کو دکھایا وہ انگشت بدنداں ہو کر کہنے لگے کہ میں نے ان چیزوں کے حصول کے لئے بارہا مشرق و مغرب کے ماہرین ریاضی سے ملاقاتیں کیں۔ مگر یہ چیزیں کہیں بھی حاصل نہ ہو سکیں۔ آخر آپ نے یہ سب کچھ کس استاد سے پڑھا۔ آپ نے فرمایا۔ میں نے اپنے والد صاحب سے محض، جمع، تفریق، ضرب، تقسیم کے قواعد محض اس لئے سیکھے تھے کہ علم میراث میں ان کی ضرورت پڑتی ہے۔ **شرح چغمینی** شروع کی تھی کہ والد مکرم نے منع کر دیا اور کہا کہ ان میں کیوں وقت صرف کرتے ہو۔ یہ تمام علوم بارگاہِ رسالت میں تمہیں خود بخود سکھا دیئے جائیں گے۔ چنانچہ یہ سب کچھ جو آپ دیکھ رہے ہیں اسی بارگاہِ اقدس و اعظم کا فیضان ہے۔ میں اپنے مکان کی چار دیواری میں بیٹھا خود ہی یہ اشکال بناتا اور مسائل حل کرتا رہتا ہوں۔

یہ گوناگوں صلاحیتیں اور بے مثال قابلیت منعم حقیقی نے ایک مخصوص مقصد

کی تکمیل کے لئے آپ کو ودیعت فرمائی تھیں. فہم و فراست کا یہ کمال نہیں تو اور کیا ہے کہ آپ نے پونے چودہ سال کی عمر میں علوم متداولہ میں مکمل دستگاہ حاصل کر لی اور پھر درس و تدریس، وعظ و ارشاد اور عبادات و ریاضات کو اپنا معمول بنا لیا اور آخری سانس تک زبان و قلم سے حقیقی اسلام کی اشاعت اور سیل الحاد و تجدد کی مخالفت اور اسلام کی مدافعت میں مصروف رہے۔ بارگاہِ رسالت کو نشانہ بنا کر جو تیر بھی چلایا گیا اس دیوانۂ رسالت نے سینہ سپر کر دیا۔ توہین رسالت کے لئے کہیں کوئی زبان حرکت میں آئی اس فدائے مصطفیٰ کا قلم برقِ خاطف بن کر اس پر گرا اور اسے بھسم کر کے رکھ دیا مخالفت کے تند ریلے آئے۔ الزام تراشیوں کے طوفان اٹھتے رہے، عداوت کی بلا خیز موجیں ٹکراتی رہیں مگر رسالت کا یہ عاشق پہاڑ کی طرح ان کے سامنے ڈٹا رہا اور زمانے کے کان سنتے رہے کہ وہ کہہ رہا تھا ؎

اگر یک ذرہ کم گردد ز انگیزِ وجودِ من
بایں قیمت نمی گیرم حیاتِ جاودانی را

آج اگر عصمتِ انبیاء کا چراغ روشن ہے تو میں سمجھتا ہوں کہ مولانا شاہ احمد رضا خاں کا دامن اس کا فانوس بنا ہوا ہے۔ آج سوادِ اعظم کے جتنے بھی علمائے کرام ہیں انہیں اس بات پر فخر حاصل ہے کہ وہ اعلیحضرت کے شاگرد یا شاگردوں کے شاگرد اور عقیدت کیش ہیں ؎

بجتا ہے آج علم کا جو ساز دوستو
یہ بھی اسی جرس کی ہے آواز دوستو

انگریزی علوم کے مقابلہ میں آپ نے ایک ایسے علم کلام کی بنیاد ڈالی جس نے شک و ارتیاب کی تاریک وادیوں میں بھٹکتے ہوئے اذہان کو مینارِ نور بن کر راہِ ہدایت دکھائی آپ نے ہندوستان میں نیچریت وغیرہ کی سی اعتزالی تحریکوں کو غیر اسلامی ثابت

کرکے مسلمانوں پر یہ حقیقت واضح کردی کہ امکان نظیر رسالت یا امکان کذب باری تعالیٰ کی ملعون تحریکیں صرف علمی بحثیں نہیں بلکہ **فرنگی** کی فتنہ پرور ذہنیت کی اڑائی ہوئی ایسی چنگاریاں ہیں جو مسلمانوں کے قلوب سے روح جہاد فنا کرنے کے لئے کسی وقت بھی آتش بار شعلوں میں بدل سکتی ہیں۔

تقدیس رسالت کی جو تحریک آپ نے ۱۸۷۵ء سے ۱۹۲۱ء تک جاری رکھی اور محافل میلاد کے انعقاد کی جو مشعلیں آپ نے روشن رکھیں وہ آج چمکتے ہوئے ستاروں میں تبدیل ہو کر ظلمت کدۂ دہریت والحاد میں ضیاء بکھیر رہی ہیں، آپ نے مختصر سی عمر میں جو کارہائے نمایاں سرانجام دیئے ہیں وہ اس بات کے شاہد عادل ہیں کہ آپ کا وجود آیات خداوندی میں سے ایک محکم آیت کا درجہ رکھتا تھا۔

احمد رضا خان کسی فرد واحد کا نام نہیں۔ تقدیس رسالت کی تحریک کا نام ہے۔ عامۃ المسلمین کے زندہ ضمیر کا نام ہے۔ عشق مصطفیٰ میں ڈوب کر دھڑکنے والے پاک، بابرکت اور پرسوز دل کا نام تھا اور جب تک یہ سب چیزیں زندہ رہیں گی امام **احمد رضا خان** کا نام زندہ رہے گا۔ اس نام کو خدائے قدوس نے سورج کی کرنوں کے ساتھ آسمان کی وسیع البسط چھاتی پر ہمیشہ کے لئے ثبت کر دیا ہے اور اب حادثات حیات کا کوئی بیداد جھونکا اور زمانے کی کوئی سنگدل ٹھوکر اسے مٹا نہیں سکتی نہ

ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق — ثبت است بر جریدۂ عالم دوام ما

آپ نے عشق کو نئی زندگی عطا کردی جنون محبت کو دوام عطا کر دیا اور جہان قلب و روح میں محبت کی وہ سرمدی مستی اور لافانی سرور و خمار بھر دیا جسے فنا کرنا تو کجا اس کی حدت کا کم ہونا بھی ابد تک ممکن نہیں۔

اعلیٰحضرت کے مخالفین انکے اپنے دور میں بھی بیشمار تھے اور آج بھی لاتعداد ہیں مگر کیا یہ ایک حقیقت نہیں کہ نہ وہ اس وقت ان کا کچھ بگاڑ سکتے تھے اور نہ آج تک ان کے

منوّر نام کی درخشندگی کم کر سکے ہیں۔ وہ حُبِ رسالت کے قاسم تھے انہوں نے تقدیس رسالت کا درس دیا۔ محبوب اقدس و اعظم کی شان محبوبیت سمجھائی۔ انہوں نے تقریباً ہر موضوع پر لکھا اور ہر موضوع پر دادِ تحقیق دی لیکن اگر وہ اتنی پُرعظمت کتابیں نہ بھی لکھتے تب بھی صرف ان کا نعتیہ کلام ان کے نام کو زندہ رکھنے کے لیے کافی تھا۔ ان کا عشقِ رسول اور سوز و مستی میں ڈوبا ہوا کلام اقبال کے اس شعر کی حسین تفسیر ہے ؎

نگاہِ عشق و مستی میں وہی اوّل وہی آخر　　　وہی قرآں وہی فرقاں وہی یٰسیں وہی طٰہٰ

اور آپ کے کلام کا اس سے زیادہ اور کیا کمال ہوگا کہ آج تک آپ کے نغماتِ نعت بے مثال سمجھے جاتے ہیں اور آپ ہی کے لکھے ہوئے درود و سلام منبر و محراب کو گونج رہے ہیں۔ آپ نے بے مثل و بے مثال کی مدح سرائی میں زبان کھولی تھی اس لیے خدائے قدوس نے آپ کے کلام کو بھی یکتا و بے نظیر کر دیا۔ امام احمد رضا خان کی شاعری عشق و مستی کے نئے نئے جہانوں کی موجد بن رہی ہے اور ان نو رسیدہ جہانوں کے افق پر محبت کے ایسے آفتاب و ماہتاب روشن ہیں جو پیچ در پیچ صدیوں کی تاریکیوں میں ہمیشہ ضوبار رہیں گے۔

اعلیٰحضرت کا ایک عظیم ترین کارنامہ اور علمی شاہکار قرآنِ حکیم کا اردو ترجمہ ہے جو **کنزالایمان فی ترجمۃ القرآن** کے نام سے موسوم ہے۔ تمام اردو تراجمِ قرآن سامنے رکھ لیجئے۔ اور اعلیٰحضرت کے ترجمہ کے ساتھ ان کا تقابلی مطالعہ کیجئے۔ آپ واضح ترین فرق و امتیاز محسوس کریں گے۔ اعلیٰحضرت کا ترجمہ لغوی، معنوی، ادبی اور علمی کمالات کا جامع ترین مرقع ہے۔ اسے دیکھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ آپ کو عربیت اور قرآن فہمی کا کس قدر ملکہ حاصل تھا۔

کنز الایمان فی ترجمۃ القرآن

کے محاسن

اعلیٰحضرت مولانا شاہ احمد رضا خاں بریلوی برصغیر پاک و ہند کے وہ عظیم ترین مترجم ہیں جنہوں نے انتہائی کد و کاوش سے قرآن حکیم کا ایسا ترجمہ پیش کیا ہے جس میں روح قرآن کی حقیقی جھلک موجود ہے۔ مقام حیرت و استعجاب ہے کہ یہ ترجمہ لفظی ہے اور بامحاورہ بھی اس طرح گویا لفظ اور محاورہ کا حسین ترین امتزاج آپ کے ترجمہ کی بہت بڑی خوبی ہے۔ پھر انہوں نے ترجمہ کے سلسلہ میں بالخصوص یہ التزام بھی کیا ہے کہ ترجمہ لغت کے مطابق ہو اور الفاظ کے متعدد معانی میں سے ایسے معانی کا انتخاب کیا جائے جو آیات کے سیاق و سباق کے اعتبار سے موزوں ترین ہوں۔ اس ترجمہ سے قرآنی حقائق و معارف کے وہ اسرار و معارف منکشف ہوتے ہیں جو عام طور پر دیگر تراجم سے واضح نہیں ہوتے۔ یہ ترجمہ سلیس، شگفتہ اور رواں ہونے کے ساتھ ساتھ روح قرآن اور عربیت کے بہت قریب ہے۔ ان کے ترجمہ کی ایک نمایاں ترین خصوصیت یہ بھی ہے کہ آپ نے ہر مقام پر انبیاء علیہم السلام کے ادب و احترام اور عزت و عصمت کو بطور خاص ملحوظ رکھا ہے۔ ان کے ترجمۂ قرآن کے جملہ محاسن بیان کرنے کے لئے تو ایک ضخیم تصنیف کی ضرورت ہے۔ کیونکہ اس طرح ان تمام مقامات کو زیر بحث لانا پڑے گا جنہیں دوسرے تراجم کے مقابلہ میں امتیاز حاصل ہے۔ بخوف طوالت "مشتے نمونہ از خروارے" کے طور پر صرف چند

مقامات کے ترجمہ کا دوسرے تراجم سے موازنہ پیش کیا جاتا ہے تاکہ اہل بصیرت پر اس ترجمہ کی اہمیت وافادیت واضح ہو جائے۔

میں یہاں اس امر کی وضاحت ضروری سمجھتا ہوں کہ میرا مقصد متقدمین کی مساعی کی عیب جوئی نہیں۔ اس موازنہ کا مقصد صرف اعلیحضرت مولانا شاہ احمد رضا خان کے فہم قرآن کا حقیقت پسندانہ اعتراف ہے اور بس۔ مجھے یقین ہے کہ قارئین میرے اسی جذبہ کو مدِ نظر رکھتے ہوئے اس مضمون کا مطالعہ کریں گے۔ آیئے اب ذرا وہ چند مقامات دیکھیں جہاں اعلیحضرت کے ترجمہ کو میں نے نمایاں حیثیت کا حامل پایا ہے:

آیت نمبر ۱ : بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ٥

ترجمہ مولوی محمود الحسن : ــــ شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے۔

ترجمہ مولوی اشرف علی تھانوی : ــــ شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑے مہربان اور نہایت رحم والے ہیں۔

ترجمہ اعلیحضرت : ــــ اللہ کے نام سے شروع جو بہت مہربان رحمت والا

صوفیہ اور عرفا کے دو مقام ہوتے ہیں ایک وہ ہیں جن کی نظر ہر چیز کے بعد اس کے خالق تک پہنچتی ہے۔ دوسرے وہ ہیں جن کی نظر پہلے خالق پر پھر کسی اور شے پر ہوتی ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: اِنَّ مَعِیَ رَبِّیْ میرے ساتھ ہے رب میرا۔ پہلے اپنا اور پھر رب کا ذکر کیا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے مکتوب اس طرح لکھا: اِنَّهٗ مِنْ سُلَيْمٰنَ وَ اِنَّهٗ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ اور حضور سرور کون ومکان صلی اللہ علیہ وسلم نے ہرقل کو خط یوں لکھوایا: بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ مِنْ مُحَمَّدٍ رَّسُوْلِ اللّٰهِ۔ خلاصہ یہ ہے کہ مقام مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور اسوۂ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم یہ ہے کہ پہلے اللہ کا نام لیا جائے۔ پھر کسی اور شے

کا ذکر کیا جائے۔ اس نکتہ کی روشنی میں آیئے۔ بسم اللہ کے تراجم پہ ایک نظر ڈال لیں۔

ہم نے اوپر اعلیحضرت کے معاصر مترجمین کے جو تراجم درج کیے ہیں۔ ان میں سے کسی ترجمہ میں وہ لطف نہیں جو اعلیحضرت کے ترجمہ میں ہے "کل امرذی بال لم یبدأ فیہ ببسم اللہ فھو اقطع" پر کسی کی نظر نہیں۔ مقام مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا کسی کو خیال نہیں۔ اللہ تعالےٰ کے ذکر کو فعل (شروع کرنے) پر مقدم کر کے بارگاہ الوہیت کے آداب کا کسی کو خیال نہیں۔ ان تمام نکات کی رعایت اگر کسی ترجمہ میں ملتی ہے تو وہ اعلیحضرت کا ترجمہ ہے۔ ممکن ہے کوئی شخص یہ کہہ دے کہ جناب ان مترجمین نے لفظی ترجمے کیے ہیں تو میں یہ کہوں گا کہ قرآن کے ترجمہ کے لیے صرف لغت کا جاننا کافی نہیں ہے ورنہ صلوٰۃ کا لفظی ترجمہ سرین ہلانا کیا جائے۔ زکوٰۃ کا ترجمہ پاکیزگی کیا جائے اور حج اور تیمم کا ترجمہ ارادہ کے ساتھ کیا جائے۔ قرآن کریم کا ترجمہ کرنے کے لیے تمام تفاسیر معتبرہ، احادیث مقدسہ اور فقہی مسائل پہ گہری نظر ہونی چاہیے۔ غرض یہ کہ جب تک تمام اسلامی علوم پر کسی شخص کی نظر نہ ہو۔ اس وقت تک وہ قرآن کریم کا صحیح ترجمہ نہیں کر سکتا۔

آیت نمبر ۲: — ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَیْبَ فِیْهِ (البقرۃ - ۲)

ترجمہ مولوی محمود الحسن: — اس کتاب میں کوئی شک نہیں۔

ترجمہ مولوی اشرف علی تھانوی: — یہ کتاب ایسی ہے جس میں کوئی شبہ نہیں۔

ترجمہ اعلیحضرت: — وہ بلند رتبہ کتاب (قرآن) کوئی شک کی جگہ نہیں۔

عربی محاورہ کے مطابق یہاں جنس ریب کی نفی ہے اور لفظ فی کا مدخول ظرف ہوتا ہے کبھی زمان اور کبھی مکان تو اب معنی یہ ہو گا کہ قرآن مجید جنس ریب کا محل نہیں بنا۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ قرآن کریم میں کسی نے شک نہیں

کیا حالانکہ دوسرے مقام پر ہے۔ "وَاِنْ كُنْتُمْ فِیْ رَیْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا" اور اس سے واضح ہے کہ قرآن حکیم محل ریب بنا اور لوگوں نے اس میں ریب کیا ہے یہی وہ اشکال تھا جسے رفع کرنے کے لیے علامہ تفتازانی نے مطول میں اور علامہ بیضاوی نے اپنی تفسیر میں طویل عبارات لکھی ہیں۔ لیکن اعلیحضرت نے ترجمہ کے چند الفاظ میں اشکال رفع کر دیا۔ ذرا ذٰلِكَ کے ترجمہ کا تقابلی مطالعہ بھی کیجیے۔ معمولی عربی دان بھی یہ جانتا ہے کہ "ذٰلِكَ" اشارہ قریب نہیں اشارہ بعید ہے مگر افسوس ہے کہ اکثر مترجمین اس کا ترجمہ "یہ" کرتے ہیں۔ اعلیحضرت نے اسے اصل معنوں میں لے کر اس کا ترجمہ "وہ" کیا ہے اور عبارت کا حسن بھی قائم ہے۔

آیت نمبر ۳: —— یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّكُمُ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ وَالَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ۙ

(البقرۃ - ۲۱)

ترجمہ مولوی محمود الحسن: —— اے لوگو بندگی کرو اپنے رب کی جس نے پیدا کیا تم کو اور ان کو جو تم سے پہلے تھے تاکہ تم پرہیزگار بن جاؤ۔

ترجمہ اعلیحضرت: —— اے لوگو اپنے رب کو پوجو جس نے تمہیں اور تم سے اگلوں کو پیدا کیا۔ یہ اُمید کرتے ہوئے کہ تمہیں پرہیزگاری ملے۔

سب مترجمین اس طرف گئے ہیں کہ لفظ "لَعَلَّ" بمعنی "کَیْ" ہے یعنی تاکہ تم پرہیزگار بن جاؤ لیکن علامہ بیضاوی نے اس کے متعلق فرمایا:

"لَمْ یثبت فی اللغة مثله"

"یعنی لغت میں اس کی مثال ثابت نہیں۔"

پھر علامہ ممدوح نے فرمایا کہ یہ حال ہے ضمیر اعبدوا سے مطلب یہ ہوا کہ:

"اعبدوا راجین ان تنخرطوا فی سلک المتقین"

"یعنی عبادت کرو، یہ اُمید کرتے ہوئے کہ تم متقیوں کی صف میں شامل ہو جاؤ۔"

اعلیحضرت نے اپنے ترجمہ میں اسی استدلال کو اختیار فرما کر دریا کو کوزے میں بند کر دیا ہے۔

آیت نمبر ۴: ـــــ وَمَا جَعَلْنَا الْقِبْلَةَ الَّتِي كُنْتَ عَلَيْهَا إِلَّا لِنَعْلَمَ مَنْ يَتَّبِعُ الرَّسُولَ مِمَّنْ يَنْقَلِبُ عَلَىٰ عَقِبَيْهِ ط

(البقرۃ - ۱۴۳)

ترجمہ مولوی محمود الحسن: ـــــ اور نہیں مقرر کیا تھا ہم نے وہ قبلہ کہ جس پر تو پہلے تھا مگر اس واسطے کہ معلوم کریں کہ کون تابع رہے گا رسول کا اور کون پھر جائے گا، اُلٹے پاؤں۔

ترجمہ مولوی اشرف علی تھانوی: ـــــ اور جس سمت قبلہ پر آپ رہ چکے ہیں (یعنی بیت المقدس) وہ تو محض اس لیے تھا کہ ہم کو معلوم ہو جاوے کہ کون تو رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کا اتباع اختیار کرتا ہے اور کون پیچھے کو ہٹتا جاتا ہے۔

ترجمہ اعلیحضرت: ـــــ اور اے محبوب تم پہلے جس قبلہ پر تھے ہم نے وہ اسی لیے مقرر کیا تھا کہ دیکھیں کون رسول کی پیروی کرتا ہے اور کون اُلٹے پاؤں پھر جاتا ہے۔

مولوی محمود الحسن اور مولوی اشرف علی نے "لِنَعْلَمَ" کے لغوی مفہوم کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے اس کا ترجمہ کیا ہے "معلوم کریں" اور "ہم کو معلوم ہو جائے"، اس میں کوئی شبہ نہیں کہ لفظی ترجمہ اپنی جگہ درست ہے مگر اس سے عجیب تاثر پیدا ہوتا ہے کہ معاذ اللہ [illegible] علیم و خبیر کو معلوم نہ تھی

اور اس آزمائش میں ڈال کہ وہ اسے معلوم کرنا چاہتا تھا۔ ظاہر ہے کہ "معلوم ہو جائے" کی نسبت خدا سے کسی طرح درست نہیں ہو سکتی۔ قرآن کریم کے منشا اور اندازِ بیان کی تفہیم کے لیے لفظی ترجمہ کی بجائے کہیں کہیں ترجمانی کا رنگ اختیار کرنا پڑتا ہے۔ اعلیحضرت اپنے ترجمہ میں اس اہم فرض سے خوش اسلوبی سے عہدہ برآ ہوئے ہیں۔

آیت نمبر ۵ :— وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا ؕ

(البقرۃ - ۱۴۳)

ترجمہ مولوی محمود الحسن :— اور ہو رسول تم پر گواہی دینے والا۔

ترجمہ مولوی اشرف علی تھانوی :— اور تمہارے لیے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) گواہ ہوں۔

ترجمہ ابوالاعلیٰ مودودی :— اور رسول تم پر گواہ ہو۔

ترجمہ اعلیحضرت :— اور یہ رسول تمہارے نگہبان و گواہ۔

قواعد عربیہ کی رُو سے جب شہادت کا صلہ علیٰ آتا ہے۔ تو معنی ہوتا ہے کسی کے خلاف شہادت دینا اور جب شہادت کا صلہ لام آئے تو معنی ہوتا ہے کسی کے حق میں شہادت دینا۔ آیت مندرجہ بالا (عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا) میں شہادت کے ساتھ علیٰ کا ذکر ہے۔ اس لحاظ سے معنی ہوا (روزِ حشر) رسول اللہ تمہارے خلاف شہادت دیں گے۔ حالانکہ ایسا نہیں ہوگا۔ بلکہ حضور شفیع المذنبین رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم مسلمانوں کے حق میں گواہی دیں گے۔ علامہ اسماعیل حقی روح البیان میں اس اشکال کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں۔ "یہاں پر شہید مترقب کے معنی کو متضمن ہے اور علیٰ شہادت کا نہیں۔ مترقب کا صلہ ہے اور مترقب کے معنی ہیں نگہبان۔" اعلیحضرت نے بھی اسی اشکال کو رفع کرنے کے لیے ترجمہ میں نگہبان کا لفظ استعمال کیا ہے۔

آیت نمبر ۶:۔ اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنْزِيْرِ وَمَآ اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ ۚ (البقرۃ ۔ ۱۷۳)

آیۂ زیرِ نظر میں "اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ" کے الفاظ برصغیر پاک و ہند کے دو مکاتبِ فکر (بریلوی اور دیوبندی) کے درمیان ما بہ النزاع بن کر رہ گئے ہیں اس سے دیوبندی مکتبۂ فکر یہ مطلب اخذ کرتا ہے کہ جس جانور کو بھی غیر اللہ کے نام سے منسوب کر دیا جائے پھر چاہے ذبح کے وقت اس پہ اللہ کا نام بھی پڑھا جائے وہ جانور حرام ہو جائے گا۔ یہ مکتبۂ فکر اس معاملہ میں انتہائی متشدد ہو گیا ہے۔ بریلوی مکتبۂ فکر یہ دعویٰ کرتا ہے کہ آیت صرف اسی مذبوحہ جانور کو حرام کہتی ہے جس پہ ذبح کرتے وقت اللہ کی بجائے غیر اللہ کا نام لیا جائے اصل میں سارا نزاع لفظ "اُهِلَّ" سے پیدا ہوا۔ بریلوی حضرات کے نزدیک "اھلال" کے معنی ہیں "رفع الصوت عند الذبح" جب کہ دیوبندی حضرات اسے مطلق منسوب کرنے کے معنوں میں لیتے ہیں۔ میرے خیال میں یہ نزاع مولوی اشرف علی تھانوی کی جدّت سے پیدا ہوا ہے۔ انہوں نے آیت زیرِ نظر کا ترجمہ یوں کیا ہے۔

"اللہ تعالیٰ نے تو تم پر صرف حرام کیا ہے مردار کو اور خون کو (جو بہتا ہو) اور خنزیر کے گوشت کو (اسی طرح اس کے سب اجزاء کو بھی) اور ایسے جانور کو بھی جو (بقصد تقرب) غیر اللہ کے نامزد کر دیا گیا ہو۔"

اس "اھلال" کے لیے صاف نامزد کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ لغت جس کی تائید نہیں کر سکتی۔ تھانوی صاحب کے بعد ان کے گروہِ فکر کے تمام مترجمین حتیٰ کہ مولوی عبدالماجد دریا بادی بھی "اھلال" کے لیے یہی

نامزد کا لفظ ایسے استعمال کرتے ہیں جیسے یہ لغت کا مستند ترجمہ ہے۔ میں نے اس سلسلہ میں امام الہند شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کا ترجمہ دیکھا۔ آپ جانتے ہیں کہ برصغیر میں قرآن مجید کا دوسری زبانوں میں ترجمہ پیش کرنے والوں میں حضرت شاہ ولی اللہ کو اوّلیت حاصل ہے۔ آپ بھی زیر بحث آیت میں ان کا ترجمہ دیکھیے اور پھر خود ہی اندازہ کیجیے کہ ان کے اور تھانوی صاحب کے ترجمہ میں کتنا واضح اختلاف ہے شاہ صاحب کا ترجمہ حسب ذیل ہے !

"جز ایں نیست کہ حرام کردہ است بر شما مردار را و خون را و گوشت خوک را و آنچہ آواز بلند کردہ شود در ذبح وے بغیر خدا۔"

آپ دیکھ رہے ہیں کہ شاہ صاحب نے "اہلال" کا ترجمہ نامزد وغیرہ نہیں کیا بلکہ صاف الفاظ میں "آواز بلند کردہ شود در ذبح وے" لکھا ہے اور یہ ترجمہ بالکل وہی ہے جو اعلیٰ حضرت نے پیش کیا ہے۔ ان کے الفاظ بھی ملاحظہ فرما لیجیے۔

"اس نے یہی تم پر حرام کیے ہیں مردار اور خون اور سور کا گوشت اور وہ جانور جو غیر خدا کا نام لے کر ذبح کیا گیا ہے۔"

آیت نمبر ۷ : ـــــ وَمَكَرُوْا وَمَكَرَ اللّٰهُ ؕ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ ۝

(آل عمران - ۵۴)

ترجمہ مولوی محمود الحسن : ـــــ اور مکر کیا ان کافروں نے اور مکر کیا اللہ نے اور اللہ کا داؤ سب سے بہتر ہے۔

مکر کے لغوی معنی خفیہ تدبیر کرنے کے ہیں مگر اردو میں یہ لفظ دھوکہ اور فریب جیسی مبتذل صفات کے اظہار کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ سوچیے کہ خدا

کی ذات سے مکر اور داؤ جیسے الفاظ کا استعمال کس قدر سوءِ ادبی کا متحمل ہے
اب ذرا اعلیحضرت کا ترجمہ ملاحظہ فرمایئے۔

"اور کافروں نے مکر کیا اور اللہ نے ان کے ہلاک کی خفیہ تدبیر فرمائی اور اللہ سب سے بہتر چھپی تدبیر والا ہے۔"

آیت نمبر ۸ :— وَلَمَّا يَعْلَمِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ جَاهَدُوْا مِنْكُمْ وَيَعْلَمَ الصّٰبِرِيْنَ ٥ (آل عمران - ۱۴۲)

ترجمہ مولوی محمود الحسن :— اور ابھی تک معلوم نہیں کیا اللہ نے جو لڑنے والے ہیں تم میں اور معلوم نہیں کیا ثابت رہنے والوں کو۔

ترجمہ سے یوں ظاہر ہوتا ہے جیسے خدا کو پہلے کسی بات کا علم نہیں تھا۔ اور یہ چیز خدا کے عالم الغیب ہونے کے سراسر منافی ہے۔ اس لیے اعلیحضرت نے ایسا انداز اختیار فرمایا ہے کہ کسی ذہن میں کسی قسم کا اعتراض پیدا ہی نہیں ہوسکتا۔ اعلیحضرت مندرجہ بالا آیت کا ترجمہ یوں فرماتے ہیں۔

"اور ابھی اللہ نے تمہارے غازیوں کا امتحان نہ لیا اور نہ صبر کرنے والوں کی آزمائش کی۔"

آیت نمبر ۹ :— اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَهُوَ خَادِعُهُمْ ج (النساء - ۱۴۲)

ترجمہ مولوی محمود الحسن :— "البتہ منافق دغابازی کرتے ہیں اللہ سے اور وہی ان کو دغا دے گا۔"

"دغا" کا لفظ کس قدر رکیک لفظ ہے؟ اس کی وضاحت کی ضرورت نہیں اور جب اس لفظ کو خدا کی ذات اقدس و اعظم سے منسوب کیا جائے تو اعدائے دین کو زبانِ طعن دراز کرنے کا موقعہ مل جاتا ہے۔ اعلی حضرت

نے کس احتیاط سے یہاں ترجمانی کے فرائض نبھائے ہیں۔ ملاحظہ کیجیے۔

"بے شک منافق لوگ اپنے گمان میں اللہ کو فریب دینا چاہتے ہیں اور وہی انہیں غافل کرکے مارے گا۔"

آیت نمبر ۱۰: —— اَفَاَمِنُوْا مَكْرَ اللّٰهِ ۚ فَلَا یَاْمَنُ مَكْرَ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْخٰسِرُوْنَ ۝ (الاعراف - ۹۹)

ترجمہ مولوی محمود الحسن: —— "کیا بے ڈر ہو گئے اللہ کے داؤ سے سو بے ڈر نہیں ہوتے اللہ کے داؤ سے مگر خرابی میں پڑنے والے۔"

اس آیت کے ترجمہ میں بھی مکر کو داؤ سے تعبیر کیا گیا ہے جو نہ صرف اس کے لغوی مفہوم کے خلاف ہے بلکہ اس سے شکوک و شبہات اور اعتراضات کے دروازے بھی کھل جاتے ہیں۔ اعلیٰ حضرت کا محتاط اور متکلمانہ ترجمہ ملاحظہ کیجیے۔

"کیا اللہ کی خفی تدبیر سے بے خبر ہیں تو اللہ کی خفی تدبیر سے نڈر نہیں ہوتے مگر تباہی والے۔"

آیت نمبر ۱۱: —— وَیَمْكُرُوْنَ وَیَمْكُرُ اللّٰهُ ؕ وَاللّٰهُ خَیْرُ الْمٰكِرِیْنَ ۝ (الانفال - ۳۰)

ترجمہ مولوی محمود الحسن: —— "اور وہ بھی داؤ کرتے تھے اور اللہ بھی داؤ کرتا تھا اور اللہ کا داؤ سب سے بہتر ہے۔"

مولوی محمود الحسن نے یہاں بھی مکر کو داؤ کے معنوں میں استعمال کیا ہے۔ مگر اعلیحضرت نے صحیح لغوی مفہوم کو ترجمہ میں شامل کرکے سارے شکوک و شبہات دور کر دیے۔ اعلیحضرت کا ترجمہ درج ذیل ہے۔

"اور وہ اپنا سا مکر کرتے تھے اور اللہ اپنی خفیہ تدبیر فرماتا تھا اور

اللہ کی خفیہ تدبیر سب سے بہتر ہے۔"

آیت نمبر ۱۲: ـــــ نَسُوا اللّٰهَ فَنَسِيَهُمْ ؕ (التوبۃ - ۶۷)

ترجمہ مولوی محمود الحسن: ـــــ "بھول گئے اللہ کو سو وہ بھول گیا ان کو۔"

ترجمہ مولوی اشرف علی تھانوی: ـــــ "انہوں نے خدا کا خیال نہ کیا۔ پس خدا نے ان کا خیال نہ کیا۔

"نَسْیٌ" کے معنی بالارادہ اور بے ارادہ بھول جانے کے بھی ہیں اور نظر انداز کر دینے اور چھوڑ دینے کے بھی۔ مترجم کا فرض ہے کہ وہ ترجمہ کرتے ہوئے خدا کی شان اور عظمت کو ضرور پیش نظر رکھے۔ محمود الحسن صاحب نے "بھول جانے" کے الفاظ خدا سے منسوب کیے ہیں جن سے یہ احتمال ہو سکتا ہے کہ معاذ اللہ خدا کو بھی نسیان لاحق ہو سکتا ہے اس کے برعکس اعلیحضرت بریلوی کا ترجمہ زیادہ واضح ہے انہوں نے لغت سے ایسا مفہوم لیا ہے جو شان خداوندی کے خلاف نہیں۔ اعلیحضرت کا ترجمہ ملاحظہ فرمایئے!

"وہ اللہ کو چھوڑ بیٹھے تو اللہ نے انہیں چھوڑ دیا۔"

آیت نمبر ۱۳: ـــــ قُلِ اللّٰهُ اَسْرَعُ مَكْرًا ؕ (یونس - ۲۱)

ترجمہ مولوی محمود الحسن: ـــــ "کہہ دے کہ اللہ سب سے جلد بنا سکتا ہے حیلے۔"

آیت زیر نظر میں محمود الحسن صاحب نے مکر کے معنی "حیلہ" کیے ہیں جن کی خدا سے نسبت کسی طرح بھی جائز نہیں۔ ان کے برعکس اعلیحضرت بریلوی نے صحیح لغوی مفہوم استعمال کیا ہے اور معترض ذہنوں کے اشکالات رفع کر دیے ہیں۔ ان کا ترجمہ درج ذیل ہے۔

"تم فرما دو اللہ کی خفیہ تدبیر سب سے جلد ہو جاتی ہے۔"

آیت نمبر ۱۴: —— وَلَقَدْ هَمَّتْ بِهٖ وَهَمَّ بِهَا ۚ لَوْلَآ اَنْ رَّاٰ بُرْهَانَ رَبِّهٖ ؕ

(یوسف ۔ ۲۴)

ترجمہ مولوی اشرف علی تھانوی: —— "اور اس عورت کے دل میں تو ان کا خیال جم ہی رہا تھا اور ان کو بھی اس عورت کا کچھ خیال ہو چلا تھا۔ اگر رب کی دلیل کو انہوں نے نہ دیکھا ہوتا تو زیادہ خیال ہو جانا عجب نہ تھا۔"

ترجمہ مولوی محمود الحسن: —— "اور البتہ عورت نے فکر کیا اس کا اور اس نے فکر کیا عورت کا اگر نہ ہوتا یہ کہ دیکھے قدرت اپنے رب کی۔"

زیر نظر آیت کے تراجم پر غور کیجیے ایک تو تھانوی صاحب کا ترجمہ نہیں بلکہ اسے ترجمانی بھی نہیں کہا جا سکتا۔ دوسرے تھانوی صاحب اور محمود الحسن صاحب کے تراجم سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ زلیخا تو تکمیل خواہش پر آمادہ ہی تھیں، معاذ اللہ یوسف علیہ السلام بھی آمادہ ہو گئے تھے۔ حالانکہ یہ اجتماعی عقیدہ عصمتِ انبیاء کی صریح مخالفت ہے۔ ان حضرات نے ترجمہ کرتے ہوئے "هَمَّ بِهَا" کے بعد آنے والے "لَوْ" حرفِ شرط کو منقطع کر دیا ہے۔ حالانکہ یہ متصل ہے۔ اعلیحضرت بریلوی کے ترجمہ میں یہی خوبی ہے کہ انہوں نے حرفِ شرط کو متصل کر کے عصمتِ انبیاء کے اجتماعی عقیدہ کی تائید بھی کر دی ہے۔ ترجمہ لفظی بھی ہے اور کوئی لفظ زائد استعمال نہیں ہوا۔ نیز دشمنانِ اسلام کو اعتراض کا موقعہ بھی نہیں ملا۔ اعلیحضرت کا ترجمہ درج ذیل ہے۔

"اور بے شک عورت نے اس کا ارادہ کیا اور وہ بھی عورت کا ارادہ کرتا اگر اپنے رب کی دلیل نہ دیکھ لیتا۔"

آیت نمبر ۱۵:۔۔۔ كَذٰلِكَ كِدْنَا لِيُوْسُفَ ؕ (یوسف - ۷۶)

ترجمہ مولوی محمود الحسن:۔۔۔ "یوں داؤ بتا دیا ہم نے یوسف کو۔"

ترجمہ اعلیٰحضرت :۔۔۔ "ہم نے یوسف کو یہی تدبیر بتائی۔"

"کید" کا لفظ عربی زبان میں خفیہ تدبیر کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے اسے داؤ اور فریب کے معنوں میں بھی لیا جاتا ہے مگر جب اس کی نسبت خدائے قدوس کی طرف ہو تو اس کا ترجمہ داؤ یا فریب کرنا سراسر توہین باری تعالیٰ ہے اب دیکھیے کہ اوّل الذکر ترجمہ سے کیتنے دریدہ دہنوں کو قرآن کریم پر زبان اعتراض دراز کرنے کا موقعہ مل جاتا ہے اور ثانی الذکر ترجمہ ایسا حسین ہے کہ کسی قسم کے اعتراض کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

آیت نمبر ۱۶:۔۔۔ قَالُوْا تَاللّٰهِ اِنَّكَ لَفِیْ ضَلٰلِكَ الْقَدِیْمِ ۝

(یوسف - ۹۵)

ترجمہ مولوی محمود الحسن:۔۔۔ "لوگ بولے قسم اللہ کی تُو تو اپنی اسی قدیم غلطی میں ہے۔"

ترجمہ مولوی اشرف علی تھانوی:۔۔۔ "وہ (پاس والے) کہنے لگے کہ بخدا آپ تو اپنے اسی پرانے غلط خیال میں مبتلا ہیں۔"

ترجمہ اعلیٰحضرت :۔۔۔ "بیٹے بولے خدا کی قسم آپ اپنی اسی پرانی خود رفتگی میں ہیں۔"

لفظ "ضلال" عربی زبان میں متعدد معانی میں استعمال ہوتا ہے اس کا ایک معنی ہے مغلوب ہونا۔ چنانچہ کہا جاتا ہے "ضل الماء فی اللبن" پانی دودھ میں مخلوط ہو کر مغلوب ہو گیا جو درخت بیابان میں تنہا ہو اس کے لیے بھی اس لفظ کا استعمال کیا جاتا ہے۔ چنانچہ کہتے ہیں "شجرۃ ضالۃ" ....

"ضلالت" کا لفظ گمراہی کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے۔ چنانچہ قرآن حکیم میں ہے۔ "ماضلّ صاحبکم وما غوی"۔ "تمہارے پیغمبر نہ گمراہ ہوئے اور نہ بھٹکے"۔ "ضلالت" محبت کے معنی میں بھی مستعمل ہے چنانچہ علامہ آلوسی لکھتے ہیں۔

"کہ ابن جریر نے مجاہد سے نقل کیا ہے کہ اس آیت میں ضلال کا لفظ محبت کے معنی میں ہے۔"

اور جب کوئی لفظ متعدد معنوں میں مستعمل ہو تو اس کے کسی ایک معنی کی تعیین مقام اور حال کے مناسبت سے کی جاتی ہے اور ظاہر ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان کے مناسب اس جگہ صرف محبت کا معنی ہے جس طرح اعلیحضرت نے اس آیت میں ضلال کو محبت پر محمول کیا ہے۔

آیت زیر نظر میں "ضٰلّاً" کا لفظ آیا ہے جس کے ترجمہ میں واضح اختلاف ہے۔ محمود الحسن صاحب نے اس کا ترجمہ غلطی کیا ہے۔ تھانوی صاحب نے اسے غلط خیال لکھ دیا ہے۔ مگر سوال یہ ہے کہ "ضلالت" کو غلطی کے معنوں میں استعمال کرنے کی کوئی نظیر بھی ملتی ہے۔ یہ ٹھیک ہے کہ ان حضرات نے "گمراہی" کی بجائے "غلطی" کا لفظ محض اس لیے لگایا ہے کہ پیغمبر کو گمراہ کہنا اس کی شان کے شایان نہیں۔ مگر ترجمہ کے لیے لغت کی تائید بھی تو ضروری ہے۔
ان کے مقابلہ میں فاضل بریلوی کا ترجمہ دیکھیے۔ انہوں نے اس کا ترجمہ "خود رفتگی" کیا ہے۔ لفظ خود رفتگی ایک طرف تو ادبی محاسن کا مرقع ہے۔ دوسری طرف اس سے محبت وشیفتگی کے تمام جذبات کا اظہار ہو جاتا ہے اور بیٹے اگر یہ لفظ حضرت یعقوب علیہ السلام کے حق میں استعمال کرتے ہیں تو نازیبا بھی نہیں۔ پھر لغت بھی اس کی مکمل تائید کرتی ہے خود قرآن حکیم میں اس کی

نظیر موجود ہے. خدائے قدوس نے حضور سرورِ کائنات (صلی اللہ علیہ وسلم) کو مخاطب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا۔" وَوَجَدَكَ ضَآلًّا فَهَدٰی "
اس آیت میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو" ضَآلًّا " کہا گیا ہے جو حضرات آیتِ موضوع بحث میں" ضلالت "کے معنی غلطی کرتے ہیں۔ اس طرح اس جگہ بھی ان کے یہاں اسی قسم کا ترجمہ ہو گا۔ آپ جانتے ہیں کہ نبی معصوم کے حق میں اس قسم کے الفاظ کا استعمال کتنی بڑی سوء ادبی ہے مگر اس چیز کی پروا کیے بغیر محمود الحسن صاحب نے اس آیت کا ترجمہ کیا ہے۔

"اور پایا تجھ کو بھٹکتا پھر راہ سجھائی۔"

گویا معاذاللہ جناب سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم بھٹکے ہوئے تھے۔ حالانکہ یہ ترجمہ اُمت کے اجتماعی عقیدہ کے خلاف ہے۔ اعلیحضرت بریلوی نے یہاں بھی وہی ترجمہ کیا ہے جو شانِ نبوت کے شایانِ شان ہے اور آپ نے لکھا ہے۔

"اور تمہیں اپنی محبت میں خود رفتہ پایا تو اپنی طرف راہ دی۔"

چونکہ مذکورہ بالا دونوں آیات میں ضلالت کی نسبت انبیاء علیہم السلام کی طرف تھی۔ اس لیے آپ نے اس کا ترجمہ خود رفتگی کیا ہے جو محبت کے انتہائی مقام کو ظاہر کرتا ہے۔ اس آیت میں" وَوَجَدَكَ ضَآلًّا فَهَدٰی "سے متعلق مستقل بحث اگلے صفحات میں ملاحظہ فرمائیں۔

آیت نمبر ۱۷:۔۔۔ حَتّٰٓى اِذَا اسْتَايْـَٔسَ الرُّسُلُ وَظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ قَدْ كُذِبُوْا۔ (یوسف - ۱۱۰)

ترجمہ مولوی اشرف علی تھانوی:۔۔۔ " یہاں تک کہ پیغمبر (اس بات سے) مایوس ہو گئے اور ان پیغمبروں کو گمان غالب ہو گیا کہ

ہمارے فہم نے غلطی کی ہے۔"

ترجمہ مولوی محمود الحسن : ——— "یہاں تک کہ جب نا اُمید ہونے لگے رسول اور خیال کرنے لگے کہ ان سے جھوٹ کہا گیا تھا۔"

زیرِ نظر تراجم پر نظر ڈالیے سب سے پہلے جو چیز اُبھر کر سامنے آتی ہے وہ "اِذَا اسْتَايْئَسَ الرُّسُلُ" کا ترجمہ ہے۔ تھانوی صاحب نے صاف لکھ دیا کہ پیغمبر تائید ربانی سے مایوس ہو گئے۔ حالانکہ انبیائے کرام کا تائید خداوندی سے مایوس ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ انہیں اللہ تعالیٰ کے وعدوں کا پورا یقین ہوتا ہے اور یہ یقین ایسا پختہ ہوتا ہے کہ کوئی قوت اسے متزلزل نہیں کر سکتی۔ محمود الحسن صاحب نے "مایوس ہو گئے۔" کی متذکرہ بالا صورت سے بچنے کے لیے "نا اُمید ہونے لگے" لکھا ہے۔ گویا نا اُمیدی کا صدور تو نہ ہوا، لیکن نا اُمید ہونے والے ضرور تھے۔ اس میں بھی پیغمبروں کی تائید ربانی سے مایوس ہونے کا امکان بڑا واضح ہے۔

اب ذرا اعلیحضرت بریلوی کے ترجمہ کو دیکھیے انہوں نے لکھا ہے۔

"یہاں تک جب رسولوں کو ظاہری اسباب کی اُمید نہ رہی اور لوگ سمجھے کہ رسولوں نے ان سے غلط کہا تھا۔"

ترجمہ کتنا ترجمانِ حقیقت ہے۔ عربیت بھی برقرار رہی اور منشائے خداوندی کا بھی اظہار ہو گیا کہ اس کی تائید ایسے وقت نمودار ہو جاتی ہے جب ظاہری اسباب منقطع ہو جاتے ہیں۔ تھانوی صاحب اور محمود الحسن صاحب کے تراجم سے اعدائے اسلام کو یہ پیچ نکالنے کا موقع ملتا ہے کہ جب انبیاء علیہم السلام کو بھی تائید خداوندی پر یقین نہیں تھا تو عام مسلمان کیسے اس پر یقین رکھ سکتے ہیں لیکن اعلیحضرت کے ترجمہ نے یہ اشکال پیدا ہی نہیں ہونے دیا۔

اس آیت کے ترجمہ میں دوسری قابلِ غور بات " ظَنُّوْٓا اَنَّھُمْ قَدْ کُذِبُوْا "
کا ترجمہ ہے۔ محمود الحسن صاحب اور تھانوی صاحب کے تراجم سے صاف عیاں
ہے کہ انبیاء علیہم السلام مایوسی کے عالم میں یہ خیال کرنے لگے کہ ان سے خدا
نے تائید و نصرت کے جو وعدے فرمائے تھے وہ معاذ اللہ سب جھوٹے تھے
اور یہ چیزیں شانِ نبوت کے صریحًا خلاف ہیں۔ انبیاء علیہم السلام کو اگر وعدۂ
خداوندی کی صداقت پر یقین نہیں تھا تو پھر اور کسے ہوگا۔ یہاں بھی اعلیحضرت
بریلوی کا ترجمہ امتیازی حیثیت رکھتا ہے انہوں نے " ظَنُّوْٓا " کی ضمیر جمع
غائب کا مرجع انبیاء علیہم السلام کو نہیں بلکہ لوگوں کو ٹھہرایا ہے اس طرح کہ
ہر قسم کے اشکالات ترجمہ میں ہی رفع ہو گئے ہیں۔

آیت نمبر ۱۸ : ـــــ وَقَدْ مَكَرَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَلِلّٰهِ الْمَكْرُ
جَمِيْعًا ط (الرعد ـ ۴۲)

ترجمہ مولوی محمود الحسن : ـــــ " اور فریب کر چکے ہیں جو ان سے پہلے
تھے۔ سو اللہ کے ہاتھ میں ہے سب فریب۔ "

اس آیت میں " مکر " کو فریب کے معنی میں لے کر سارا فریب خدا کے
ہاتھ دے دیا گیا ہے۔ اس طرح عام لوگ یہ مفہوم اخذ کر سکتے ہیں کہ العیاذ
باللہ سب سے بڑا فریب کار خود خدائے قدوس ہے لیکن اعلیحضرت بریلوی
کا ترجمہ ہر شبہ کا مسکت جواب ہے۔ اعلیحضرت کا ترجمہ ملاحظہ فرمائیے۔

" اور ان سے اگلے فریب کر چکے ہیں تو ساری خفیہ تدبیر کا مالک
تو اللہ ہی ہے۔ "

آیت نمبر ۱۹ : ـــــ قَالَ هٰٓؤُلَآءِ بَنٰتِيْٓ اِنْ كُنْتُمْ فٰعِلِيْنَ ۝ؕ

ترجمہ مولوی محمود الحسن : ——— "بولا یہ حاضر ہیں میری بیٹیاں اگر تم کو کرنا ہے۔"

ترجمہ مولوی اشرف علی تھانوی : — "لوط نے فرمایا کہ یہ میری (بہو) بیٹیاں موجود ہیں اگر تم میرا کہنا کرد۔"

ترجمہ اعلیحضرت : ——— "کہا یہ قوم کی عورتیں میری بیٹیاں ہیں اگر تمہیں کرنا ہے۔"

آیت کا پس منظر یہ ہے کہ جب فرشتے خوبصورت لڑکوں کی شکل میں حضرت لوط علیہ السلام کے پاس آتے ہیں اور کفار اپنے شوقِ لواطت میں ان کے پیچھے دوڑے آتے ہیں اور ان کے حصول کا تقاضا کرتے ہیں تو حضرت لوط علیہ السلام ارشاد فرماتے ہیں هٰٓؤُلَآءِ بَنٰتِیْٓ اِنْ کُنْتُمْ فٰعِلِیْنَ ۝ اب ذرا اس آیت مقدسہ کے ان تراجم پر غور کیجیے۔ پہلے دونوں تراجم سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ جناب لوط علیہ السلام نے اپنے مہمانوں کو بچانے کے لیے انہیں اپنی بہو بیٹیاں پیش کر دی تھیں۔ حالانکہ یہ بات ایک اولوالعزم پیغمبر تو کجا کسی بھی شریف آدمی کو زیب نہیں دیتی۔ مہمانوں کو بچانے کے لیے جان تو قربان کی جاسکتی ہے لیکن عزت اور غیرت کی قربانی گوارا نہیں کی جاسکتی۔ ان تراجم کے برعکس ذرا اعلیحضرت بریلوی کا ترجمہ دیکھیے۔ آپ نے کس حسنِ ادا سے تمام اعتراضات صرف ترجمہ میں ہی ختم کر دیئے ہیں۔ قوم کا سردار قوم کے تمام افراد کا باپ ہوتا ہے اس طرح انہیں شرم دلانے کے لیے یہ فرما رہے ہیں کہ تمہاری اپنی بیویاں موجود ہیں جو جنسی خواہش کی تسکین کا جائز ذریعہ ہیں۔ ان کی بیویوں کو اپنی بیٹیاں کہہ کر کلام میں انتہائی ندرت پیدا کیا گیا تھا۔ لیکن مترجمین نے نزاکت الفاظ اور بلاغت بیان

کو نظر انداز کرتے ہوئے ایسا ترجمہ کیا کہ خود دامن نبوت پر اعتراضات کے چھینٹے پڑ گئے۔

آیت نمبر ۲۰:—— یَوْمَ نَدْعُوا كُلَّ اُنَاسٍۭ بِاِمَامِهِمْ ج

(بنی اسرائیل - ۷۱)

ترجمہ مولوی اشرف علی تھانوی:—— "جس روز ہم تمام آدمیوں کو ان کے نامۂ اعمال سمیت بلا دیں گے۔"

ترجمہ اعلیحضرت:—— "جس روز ہم ہر جماعت کو اس کے امام کے ساتھ بلائیں گے۔"

تھانوی صاحب نے زیرِ نظر آیت کے ترجمہ میں لفظ "امام" کے معنی نامۂ اعمال لکھے ہیں جو لغت کے اعتبار سے غلط ہیں۔ اس کے حقیقی معنی وہ ہیں جو اعلیحضرت نے بیان کیے ہیں۔

آیت نمبر ۲۱:—— وَعَصٰۤى اٰدَمُ رَبَّهٗ فَغَوٰى ۝ص

(طٰہٰ - ۱۲۱)

ترجمہ مولوی عاشق الٰہی میرٹھی:—— "اور آدم نے نافرمانی کی اپنے رب کی پس گمراہ ہوئے۔"

مولوی عاشق الٰہی میرٹھی کے ترجمہ میں حضرت آدم علیہ السلام سے دو باتیں منسوب کی گئی ہیں۔ (۱) نافرمانی (۲) گمراہی۔ اور یہ دونوں باتیں عصمتِ انبیاء کے منافی ہیں۔ اس کے مقابلہ میں اعلیحضرت بریلوی نے قرآن کی صحیح ترجمانی کی ہے۔ لغت کے خلاف بھی نہیں گئے اور عصمتِ انبیاء پہ بھی حرف نہیں آنے دیا۔ اعلیحضرت کا ترجمہ پڑھیے۔

"اور آدم سے اپنے رب کے حکم میں لغزش واقع ہوئی تو

جو مطلب چاہتا تھا اس کی راہ نہ پائی۔"

آیت نمبر ۲۲: ـــــ **قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُکُمْ** (الکھف ـ ۱۱۰)

ترجمہ مولوی محمود الحسن: ـــــ "تو کہہ میں بھی ایک آدمی ہوں جیسے تم۔"

ترجمہ مولوی وحید الزمان (اہلحدیث): "کہہ دے میں اور کچھ بھی نہیں تمہاری طرح ایک آدمی ہوں۔"

ترجمہ اعلیٰحضرت: ـــــ "تم فرماؤ ظاہری صورت بشری میں تو میں تم جیسا ہوں۔"

حضور سید دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی بشریت بھی ان معرکتہ الآراء مسائل میں سے ہے جن میں اہل سنت وجماعت اور مبتدعین کے درمیان عموماً مباحثہ ہوتا رہتا ہے۔ اہل سنت وجماعت کا عقیدہ یہ ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اگرچہ صورتاً بشر ہیں لیکن آپ کی حقیقت عقل انسانی سے ماوراء ہے اور ہر چند کہ آپ بشریت میں بظاہر ہماری مثل ہیں لیکن فضائل و محاسن میں کوئی آپ کا ہمسر نہیں۔ اس سبب سے اہل سنت کے نزدیک آپ کو محض بشر کہنا سوء ادبی ہے۔ چنانچہ آپ کو سید البشر یا افضل البشر کہنا چاہیے (۳۱)۔ اس کے برعکس، مبتدعین آپ کی ذات پر محض بشریت کا اطلاق کرنے میں کوئی حرج نہیں سمجھتے۔ مبتدعین کے تمام اردو تراجم میں حضور رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے مطلقاً بشریت اور مماثلت بیان کی گئی ہے لیکن اعلیٰحضرت نے اپنے ترجمہ میں دو قیدیں لگائی ہیں۔ ایک صورت کی اور دوسری ظاہری کی۔ صورت کی قید لگا کر یہ ظاہر فرمایا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام صرف صورتاً بشر ہیں اور حقیقتاً کیا ہیں؟ یہ اس کا رب ہی جانتا ہے۔ جیسا کہ ایک مشہور حدیث [illegible]

نہیں جانتا۔" اور ظاہری کی قید لگا کر یہ ظاہر فرمایا کہ صورت میں بھی میری بشریت کی تمہاری بشریت سے مماثلت محض ظاہری ہے۔ حقیقتاً نہیں ہے یعنی تمہاری بھی دو آنکھیں ہیں اور میری بھی دو آنکھیں۔ لیکن تم ان آنکھوں سے صرف سامنے دیکھتے ہو اور میری آنکھوں سے آگے کی کوئی چیز مخفی ہے نہ پیچھے کی۔ دائیں کی کوئی چیز پوشیدہ ہے نہ بائیں کی۔ تم دیوار کے پار بھی نہیں دیکھ سکتے اور میں جب کسی چیز کو دیکھنا چاہوں تو میری نظر کے لیے سات آسمان بھی حجاب نہیں ہو سکتے۔ اور تم نے تو اپنی آنکھوں سے پوری مخلوق کو بھی نہیں دیکھا اور میں نے اپنی آنکھوں سے جمال الوہیت کو بھی بے حجاب دیکھا ہے۔ اسی طرح تمہارے کان بھی دو ہیں اور میرے بھی دو لیکن تم اپنے کانوں سے صرف قریب کی آواز سنتے ہو اور میں اپنے کانوں سے دور و نزدیک کی آوازیں یکساں سنتا ہوں اور تم نے تو اپنے کانوں سے پوری مخلوق کی باتوں کو بھی نہیں سنا اور میں نے اپنے کانوں سے رب کائنات کا کلام سنا ہے پھر مماثلت کیسی؟ اسی لیے تو فرمایا "لست **کاحد منکم**" تم میں کوئی شخص میرا مماثل نہیں ہے۔

اعلیحضرت نے ان تمام احادیث اور حقائق و معارف پر نظر رکھتے ہوئے اس آیت کے ترجمہ میں فرمایا۔ "تم فرماؤ ظاہری صورت بشری میں تو میں تم جیسا ہوں۔" یعنی جو مماثلت ہے وہ صرف صورت میں ہے۔ اور اس میں بھی بظاہر ہے۔ حقیقتاً نہ کوئی آپ کی ذات میں مماثل ہے نہ صفات میں اور جن مترجمین کی ان چیزوں پر نظر نہ تھی۔ انہوں نے ان تمام حقائق سے آنکھیں بند کر کے مطلقاً یہ ترجمہ کر دیا۔ کہ "میں تم جیسا بشر ہوں۔"

آیت نمبر ۲:— **فَظَنَّ اَنۡ لَّنۡ نَّقۡدِرَ عَلَیۡهِ**۔

(الانبیاء۔ ۸۷)

ترجمہ مولوی محمود الحسن : ——— "پھر سمجھا نہ پکڑ سکیں گے اس کو۔"

اس آیت میں محمود الحسن صاحب نے "نہ پکڑ سکیں گے اس کو" کے جو الفاظ لکھ دیے ہیں ان سے یہ گمان پیدا ہوتا ہے کہ غالباً یونس علیہ السلام کا خیال تھا کہ خدا کی ذات ان پر قابو نہ پا سکے گی۔ ان جیسے جلیل القدر پیغمبر کے متعلق تو کجا کسی عام مسلمان کے متعلق بھی یہ تصور نہیں کیا جا سکتا کہ وہ اپنے مقابلہ میں خدا کی گرفت کو عاجز اور درماندہ خیال کرے مگر اعلیحضرت کا ترجمہ ملاحظہ فرمایئے۔

"تو گمان کیا (یونس علیہ السلام) نے کہ ہم اس پر تنگی نہ کریں گے۔"

اعلیحضرت کے الفاظ دیکھیے: "ہم اس پر تنگی نہ کریں گے"۔ کتنے حسین الفاظ میں حقیقی مفہوم ادا کیا ہے۔ ایک محب اپنی محبت کے زعم میں یقیناً یہ خیال کر سکتا ہے کہ محبوبِ ازل اسے کسی تنگی میں مبتلا نہیں کرے گا۔ پھر یہ خیال کیجیے کہ اعلیحضرت بریلوی نے اپنی زبان قرآن کے منہ میں رکھ کر یہ ترجمہ کر دیا ہے کہ خود قرآن ان کے ترجمہ کی صحت کا ثبوت مہیا کرتا ہے۔

يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ وَيَقْدِرُ ج

(القصص ـ ۸۲)

ترجمہ: "اللہ رزق وسیع کرتا ہے اپنے بندوں میں جس کے لیے چاہے اور تنگی فرماتا ہے۔"

امام اللغت صاحب لسان العرب علامہ جمال الدین محمد بن مکرم الافریقی المصری المتوفی ۷۱۱ھ نے اس آیت کریمہ کے حسب ذیل تین محمل بیان فرمائے ہیں۔

۱۔ اس آیت کریمہ کا معنی امام فراء کے حوالے سے بیان کرتے ہیں کہ

یونس علیہ السلام نے اللہ تعالےٰ سے یوں (بلا اذن چلے جانے پر) یہ گمان فرمایا کہ اللہ تعالےٰ ان سے مواخذہ یا دار و گیر نہیں کرے گا۔

۲۔ ابوالہیثم کے حوالے سے بیان کرتے ہیں کہ اس آیت کا ترجمہ یوں ہو گا۔
"کہ حضرت یونس علیہ السلام نے گمان فرمایا اللہ تعالےٰ ان پر تنگی نہیں فرمائے گا۔"

۳۔ ایک اور امام لغت زجاج کے حوالے سے بیان کرتے ہیں کہ "انہوں نے گمان کیا کہ اس (بلا اذن مخصوص جانے پر) اللہ تعالےٰ نے جو مچھلی کے پیٹ میں رکھنے کا عتاب مقدر کیا ہوا ہے اس کو ٹال دے گا۔"

یہ تین محمل بیان کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ "یہ تینوں تعبیریں صحیح ہیں۔ اور جس شخص نے "نقدر" کی تعبیر قدرت سے کی یعنی اس طرح کہا کہ حضرت یونس علیہ السلام نے یوں گمان کیا کہ اللہ تعالےٰ ان کو نہ پکڑ سکے گا (گویا خدا کو اس امر پر قدرت نہیں ہو گی) وہ شخص نہ صرف یہ کہ لغت عرب اور اس کے محاورات سے جاہل ہے بلکہ وہ شخص کافر ہے کیونکہ وہ یہ کہتا ہے کہ حضرت یونس علیہ السلام کو اللہ تعالےٰ کی قدرت پر ایمان نہ تھا اور اللہ تعالیٰ کی قدرت پر شک کرنا کفر ہے۔ حالانکہ انبیاء علیہم السلام اللہ تعالےٰ کے بارے میں ایسے عقیدۂ فاسدہ سے معصوم ہوتے ہیں اور جو شخص ان کے بارے میں یہ کہے کہ حضرت یونس علیہ السلام کو اللہ تعالےٰ کی قدرت پر شک تھا وہ شخص قطعاً کافر ہے۔"

اب ہم آپ کی خدمت میں امام اللغت حضرت جمال الدین مصری کی عبارت کا مکمل ترجمہ پیش کر رہے ہیں۔ حضرت امام فرماتے ہیں۔
"آیت کریمہ" فَظَنَّ اَنْ لَّنْ نَّقْدِرَ عَلَیْهِ " میں" نقدر "کو اذ روئے

لغت، قدرت اور تنگی دونوں سے ماخوذ مانا جا سکتا ہے. فرائنے اس
آیت کی تفسیر میں کہا کہ حضرت یونس علیہ السلام نے یوں گمان فرمایا کہ ہم ان پر
وہ تنگی نہیں کریں گے جو ان کے حق میں مقدر کی ہے۔ ابوالہیثم نے کہا یہ مطلب
بھی ہو سکتا ہے کہ حضرت یونس علیہ السلام اپنی قوم سے ناراض ہو کر چل
دیے اور یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ (بہ طریقۂ ناز) اللہ تعالےٰ سے روٹھ کر چل
دیے لیکن جس شخص نے یہ کہا ہے کہ یونس علیہ السلام نے یوں گمان فرمایا کہ
اللہ تعالےٰ ان کو نہ پکڑ سکے گا وہ شخص قطعًا کافر ہے کیونکہ اس شخص نے قطعًا
یہ گمان کیا کہ حضرت یونس علیہ السلام کا اللہ تعالےٰ کی قدرت پر ایمان نہ تھا.
حالانکہ حضرت یونس علیہ السلام اللہ تعالےٰ کے رسول ہیں اور ان کے بارے
میں یہ گمان ناجائز ہے ابوالہیثم نے کہا اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ حضرت
یونس علیہ السلام نے گمان کیا کہ یوں (بغیر اجازت جانے سے) اللہ تعالےٰ
ان پر دارو گیر نہیں فرمائے گا یا یہ مطلب ہے کہ انہوں نے گمان فرمایا کہ اللہ تعالیٰ
ان پر تنگی نہیں فرمائے گا کیونکہ قرآن مجید کی ایک آیت ہے" وَمَنْ قُدِرَ عَلَيْهِ
رِزْقُهٗ" یعنی جس شخص پر رزق تنگ کر دیا گیا. اس آیت میں قدر بمعنی تنگی ہے
اسی طرح ایک اور آیت " وَاَمَّا اِذَا مَا ابْتَلٰهُ فَقَدَرَ عَلَيْهِ رِزْقَهٗ"
کسی شخص کو جب اللہ تعالےٰ نے تنگی رزق میں مبتلا کیا۔" اس آیت میں بھی قدر بمعنی
تنگی ہے اور اللہ تعالےٰ نے حضرت یونس علیہ السلام کو مچھلی کے پیٹ میں رکھ کر
اس قدر شدید تنگی میں مبتلا کیا کہ کسی اور شخص کو ایسی شدید تنگی میں مبتلا نہ کیا تھا.
اور اسی طرح ان کا غصہ ٹھنڈا کر دیا اور زجاج نے یہ کہا کہ اس آیت میں قدر بمعنی
قضا و قدر اور تقدیر کے ہے. یعنی حضرت یونس علیہ السلام نے یوں گمان
فرمایا کہ اللہ تعالےٰ نے یوں (بلا اجازت جانے پر) ان کے لیے مچھلی کے پیٹ

میں رکھنے کی جو تنگی مقدر فرمائی ہے اس کو ٹال دے گا اور انہوں نے کہا کہ قدر بمعنی تقدیر کے بھی آتا ہے اور اسی طرح تفسیر میں بھی آیا ہے۔

ازہری نے کہا جو کچھ زجاج نے کہا ہے اس کے بارے میں امام ابو اسحٰق نے فرمایا کہ وہ صحیح ہے اور دونوں معنی لغت میں مشہور ہیں قدر بمعنی تقدیر بھی اور قدر بمعنی تنگی بھی۔ اور اللہ تعالیٰ ہی خوب جانتا ہے کہ اس آیت سے کیا مراد ہے لیکن جس شخص نے اس آیت میں قدر کو قدرت سے ماخوذ مان کر کہا کہ حضرت یونس علیہ السلام نے یوں گمان کیا کہ اللہ تعالیٰ ان کو پکڑ نہ سکے گا۔ تو یہ ناجائز ہے اور اس معنی کا گمان کرنا کفر ہے۔ کیونکہ اللہ کی قدرت میں ظن کرنا شک کرنا ہے اور اس کی قدرت میں شک کرنا کفر ہے اور اللہ تعالیٰ نے اپنے انبیاء علیہم السلام کو اس قسم کے گمان سے محفوظ اور معصوم رکھا ہے۔ اور اس آیت کا یہ معنی وہی شخص کر سکتا ہے جو لغت عرب اور اس کے محاورات سے جاہل ہو۔" (لسان العرب جلد ۵ صفحہ ۷۷)

مولوی محمود الحسن صاحب کے ہم مسلک حضرات سے گذارش ہے کہ امام اللغت حضرت علامہ جمال الدین مصری نے اس آیت میں نقدر کے معنی کی جو بحث فرمائی ہے اس کو بغور ملاحظہ کریں اور پھر عقل و انصاف اور دیانت و امانت کے ساتھ اور تصلب و تعصب سے بالاتر ہو کر فیصلہ کریں۔ محمود الحسن صاحب نے جو اس آیت کا یہ ترجمہ کیا ہے کہ "یونس علیہ السلام نے سمجھا، کہ اللہ تعالیٰ ان کو نہ پکڑ سکے گا۔" مذکورہ بالا تصریحات کی روشنی میں ترجمہ اور صاحب ترجمہ کا کیا حکم ہونا چاہیے۔

آیت نمبر ۲۴: — وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ۝

(الانبیاء — ۱۰۷)

ترجمہ مولوی محمود الحسن :——— "اور جب تجھ کو ہم نے بھیجا سو مہربانی کر جہاں کے لوگوں پر۔"

ترجمہ مولوی اشرف علی تھانوی :——" آپ کو اور کسی بات کے واسطے نہیں بھیجا مگر دنیا جہان کے لوگوں (یعنی مکلفین) پر مہربانی کرنے کے لیے۔"

ترجمہ ابوالاعلیٰ مودودی :——— "اے محمدؐ ہم نے جو تمہیں بھیجا ہے تو یہ دراصل دنیا والوں کے حق میں ہماری رحمت ہے۔"

ترجمہ اعلیحضرت :——— "اور ہم نے تمہیں نہ بھیجا مگر رحمت سارے جہان کے لیے۔"

جن آیات میں حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی عظمت اور شان نمایاں طور پر بیان کی گئی ہے۔ مندرجہ بالا آیت ان آیات بینات میں سے ایک ہے۔ مومن صادق اور سچے اُمتی کے لیے اس سے بڑھ کر کیا مسرت ہوگی کہ اس کے نبی کی شان وعظمت بیان کی جائے۔ لیکن غور کیجیے کہ بعض مترجمین نے اپنے ترجموں میں نبی اکرم کے فضل وکمال کو کس طرح کم کرنے کی کوشش کی ہے۔ لیکن اعلیحضرت نے حضور کے شایانِ شان ترجمہ کیا ہے۔ صدرالافاضل نے اعلیحضرت کے ترجمۂ قرآن کے حاشیہ پر اس آیت کی تفسیر میں لکھا ہے کہ:

" آیت کے معنی یہ ہیں کہ ہم نے آپ کو نہیں بھیجا مگر رحمت مطلقہ تامہ کاملہ عامہ شاملہ جامعہ محیطہ بر جمیع مقیدات رحمت غیبیہ وشہادت علمیہ وعینیہ ووجودیہ وشہودیہ وسابقہ ولاحقہ وغیر ذالک تمام جہانوں کے لیے عالمِ ارواح ہو یا عالمِ اجسام ذوی العقول ہوں یا غیر ذوی العقول۔"

غور فرمایئے یہ کیا سبب ہے کہ مودودی صاحب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو سرے سے رحمت مانتے ہی نہیں اور تھانوی صاحب اور محمود الحسن صاحب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی رحمت کا دائرہ تنگ کر کے صرف دنیا کے مکلفوں تک محدود رکھتے ہیں، اس کے بخلاف اعلیٰحضرت اور صدر الافاضل حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی رحمت کا عموم، شمول اور اطلاق بیان کرتے ہیں. جہاں اللہ تعالیٰ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے فضل و کمال کو علی العموم بیان فرماتا ہے وہاں یہ حضرات کیوں تقیید کرتے ہیں اور اعلیٰحضرت اور صدر الافاضل کیوں ایسے مواقع پر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے کمالات بڑھ چڑھ کر بیان کرتے ہیں. آخر اس فرق کا سبب کیا ہے؟ آپ خود ہی سوچ لیں ہم اگر عرض کریں گے تو شکایت ہوگی.

آیت نمبر ۲۵: — قَالَ فَعَلْتُهَآ اِذًا وَّ اَنَا مِنَ الضَّآلِّيْنَ ؕ

(الشعرآء — ۲۰)

ترجمہ مولوی اشرف علی تھانوی: — "موسیٰ نے جواب دیا کہ (واقعی) اس وقت وہ حرکت میں کر بیٹھا اور مجھ سے بڑی غلطی ہوگئی تھی."

"ضلالت" کے ایک معنی راہ سے بے خبر ہونے کے بھی ہیں. آیت زیر نظر میں "ضالین" کا لفظ انہی معنوں میں استعمال ہوا ہے مگر مولوی اشرف علی تھانوی نے اسے بڑی غلطی کا مفہوم دے دیا. اس طرح موسیٰ علیہ السلام کی عصمت پہ حرف آگیا. اب اعلیٰحضرت کا ترجمہ پڑھیے.

"موسیٰ نے فرمایا. میں نے وہ کام کیا جب کہ مجھے راہ کی خبر نہ تھی."

آیت نمبر ۲۶: — وَمَكَرُوْا مَكْرًا وَّمَكَرْنَا مَكْرًا

(النمل — ۵۰)

ترجمہ مولوی محمود الحسن: — "اور انہوں نے بنایا ایک فریب اور ہم نے

بنایا ایک فریب۔"

آیت زیرِ نظر میں مولوی محمود الحسن نے "مکر" کو فریب کے معنوں میں استعمال کیا ہے اور پھر اسے اللہ کی ذات سے نسبت دی ہے۔ ان کے مقابلہ میں اعلیحضرت بریلوی نے "مکر" کو خفیہ تدبیر کے معنوں میں لے کر خدا کی تنزیہہ کو برقرار رکھا ہے۔ اعلیحضرت بریلوی کا ترجمہ درج ذیل ہے۔

"اور انہوں نے اپنا سا مکر کیا اور ہم نے خفیہ تدبیر فرمائی۔"

آیت نمبر ۲۷: اَحَطْتُ بِمَا لَمْ تُحِطْ بِهٖ (النمل - ۲۲)

ترجمہ مولوی محمود الحسن: ——— "میں لے آیا خبر ایک چیز کی کہ تجھ کو اس کی خبر نہ تھی۔

ترجمہ مولوی اشرف علی تھانوی: ——— "میں ایسی بات معلوم کر کے آیا ہوں جو آپ کو معلوم نہیں ہوئی۔"

ترجمہ ابوالاعلیٰ مودودی: ——— "میں نے وہ معلومات حاصل کی ہیں جو آپ کے علم میں نہیں ہیں۔"

ترجمہ اعلیحضرت: ——— "میں وہ بات دیکھ آیا ہوں جو حضور نے نہ دیکھی۔"

حضرت سلیمان علیہ السلام نے دربار لگایا تو ہُدہُد کو غائب پایا۔ جلال میں آکر فرمایا: "مَا لِیَ لَآ اَرَی الْهُدْهُدَ" مجھے کیا ہوا کہ میں ہُدہُد کو نہیں دیکھتا اگر اس نے اپنی غیر حاضری کی کوئی معقول وجہ نہ پیش کی تو میں اسے سخت سزا دوں گا۔ کچھ دیر بعد ہُدہُد آیا اور آکر بیان کیا کہ وہ سبا سے ہو کے آیا ہے۔ چنانچہ کہا: "اَحَطْتُ بِمَا لَمْ تُحِطْ بِهٖ" میں نے اس چیز کا احاطہ کر لیا ہے جس کا آپ نے احاطہ نہیں کیا۔ عرف اور لغت میں نہ حیوانات کے علم کو ادراک کہتے ہیں اور نہ یہاں کوئی ایسا لفظ ہے جس کا ترجمہ علم یا خبر کیا جا سکے۔

لیکن یہ لوگ جو انبیاء علیہم السلام کے علوم کی نفی کے در پے ہیں۔ کس دیدہ دلیری سے احاطہ کا ترجمہ علم اور خبر کر رہے ہیں۔ ان کا مقصد یہ ہے کہ کسی حیلہ بہانہ سے نبی کے علم کی کمی بیان کی جائے خواہ وہ کمی ہُد ہُد کے مقابلے میں ہی کیوں نہ ہو۔ اعلیٰحضرت نے "احاطہ" کا صحیح ترجمہ کیا ہے۔ یعنی میری شعاع بصری نے اس چیز کا احاطہ کر لیا ہے جس چیز کا احاطہ آپ کی شعاع بصری نے نہیں کیا۔ کیونکہ آپ وہاں گئے نہیں۔ ہُد ہُد نے تو انتہائی ادب سے گفتگو کی تھی۔ وہ بارگاہِ رسالت کا گستاخ نہیں تھا کہ اپنے علم کے مقابلے میں حضرت سلیمان علیہ السلام کے علم کی نفی کی جسارت کرتا۔

آیت نمبر ۲۸:—— وَدَعْ اَذٰهُمْ ۔ (الاحزاب ۔ ۴۸)

ترجمہ مولوی محمود الحسن:—— "اور چھوڑ دے ان کا ستانا۔"

مولوی محمود الحسن کے اس ترجمہ سے یہ غلط تاثر ملتا ہے کہ معاذ اللہ جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم کفار کو ستاتے تھے اور اللہ تعالےٰ نے انہیں کفار کے ستانے سے منع فرمایا ہے حالانکہ یہ کذب اور افتراء ہے۔ اعلیٰحضرت نے اپنے ترجمہ میں اس آیت کا حقیقی مفہوم واضح کر دیا ہے۔ ملاحظہ فرمایئے۔

"اور ان کی ایذا پر درگزر فرماؤ۔"

آیت نمبر ۲۹:—— فَاِنْ يَّشَاِ اللّٰهُ يَخْتِمْ عَلٰى قَلْبِكَ ط

(الشورٰی ۔ ۲۴)

ترجمہ مولوی محمود الحسن:—— "سو اگر اللہ چاہے مہر کر دے تیرے دل پر۔"

ترجمہ مولوی اشرف علی تھانوی:—— "سو خدا اگر چاہے تو آپ کے دل پر بند لگا دے۔"

ترجمہ ابوالاعلیٰ مودودی:—— "اور اللہ چاہے تو تمہارے دل پر مہر کر دے۔"

ترجمہ اعلیحضرت:—— "اور اللہ چاہے تو تمہارے دل پر اپنی رحمت و

حفاظت کی مہر فرما دے۔"

کفار نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے کہتے تھے کہ آپ نے نبوت کا اعلان کر کے اللہ پر جھوٹ باندھا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ان باتوں سے تکلیف ہوتی تھی۔ اس موقع پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دینے کے لیے زیرِ نظر آیت نازل ہوئی۔ ہم نے اس آیت کے جو تراجم درج کیے ہیں۔ آپ ان تراجم کو پڑھ کر خود فیصلہ کر لیجیے کہ روحِ قرآن اور اس کے مطالب و مقاصد اور بارگاہِ رسالت کے آداب کے مطابق کس کا ترجمہ ہے۔

آیت نمبر ۳۰:— وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْبِكَ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ ؕ

(محمد - ۱۹)

ترجمہ مولوی محمود الحسن :— "اور معافی مانگ اپنے گناہ کے واسطے اور ایمان دار مردوں اور عورتوں کے لیے۔"

ترجمہ مولوی اشرف علی تھانوی :— "اور آپ اپنی خطا کی معافی مانگتے رہیے اور سب مسلمان مردوں اور مسلمان عورتوں کے لیے۔"

ترجمہ ابوالاعلیٰ مودودی :— "اور معافی مانگو اپنے قصور کے لیے بھی اور مومن مردوں اور عورتوں کے لیے بھی۔"

مترجمین نے اپنے ترجموں میں ایسے الفاظ استعمال کیے کہ حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو معاذ اللہ خطا کار اور قصور وار بنا ڈالا۔ ذرا غور کیجیے ان غیر محتاط تراجم کے مطالعے سے ایک عام مسلمان یا ایک غیر مسلم کیا تاثر لے سکتا ہے یہی کہ معاذ اللہ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا دامن بھی خطاؤں سے پاک نہ تھا۔ کیا یہ تراجم دشمنانِ اسلام کے ہاتھ میں اسلام اور اہلِ اسلام

ان تراجم سے عصمتِ انبیاء علیہم السلام کا مسلمہ عقیدہ مجروح نہیں ہوتا ؛ ان تراجم کے مقابلہ میں اعلیحضرت بریلوی کا ترجمہ ایمان و عرفان اور علم و تحقیق کا ایک حسین مرقع ہے۔ انہوں نے خدائے قدوس کے کلام پاک کے شایان شان ترجمہ کر کے حضور سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کے مقامِ محبوبیت اور عظمتِ مصطفویت کو کتنے عمدہ پیرایہ میں اُجاگر کیا۔ ہے اور کسی طویل تفسیر کے بغیر ترجمہ میں ہی ساری بات واضح کر دی ہے کہ " مومنین و مومنات " سے تمام مسلمان مرد و زن مراد ہیں اور " ذنبِکَ " میں اُمتِ مسلمہ کے خواص کی طرف اشارہ ہے۔ جن کے لیے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو شفاعت و مغفرت طلب کرنے کا حکم دیا گیا ہے یہاں معاذ اللہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام کی خطاؤں کا ذکر نہیں کیونکہ آپ کی ذات معصوم اور پاک ہے جن کی زبان وحی ترجمان اور جن کا سینہ الم نشرح کا گنجینہ ہو۔ جو شفیع المذنبین ہوں جن کے معاملہ کو خدا اپنا معاملہ اور جن کے ہاتھ کو اپنا ہاتھ فرمائے ان کے متعلق گناہ و خطا کی نسبت کا تصوّر بھی گناہ اور خطا ہے۔

ع یہ سوءِ ظن ہے ساقی کوثر کے باب میں

اب اعلیحضرت کا ترجمہ ملاحظہ فرمایئے۔

" اور اے محبوب اپنے خاصوں اور عام مسلمان مردوں اور عورتوں کے گناہوں کی معافی مانگو۔ "

آیت نمبر ۱۳ :— اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِيْنًا ۙ لِّيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ ۔

(الفتح - ۲)

ترجمہ مولوی اشرف علی تھانوی :— بے شک ہم نے آپ کو ایک کھلم کھلا فتح

دی تاکہ اللہ تعالےٰ آپ کی اگلی پچھلی خطائیں معاف
فرمادے۔"

ترجمہ مولوی محمود الحسن : ——— "ہم نے فیصلہ کر دیا تیرے واسطے صریح فیصلہ
تاکہ معاف کرے تجھ کو اللہ جو آگے ہو چکے تیرے گناہ
اور جو پیچھے رہے۔"

یہاں بھی مترجمین نے خطاؤں کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذات سے منسوب کر دیا۔ ان غیر محتاط مترجمین کے تراجم سے تاثر پیدا ہوتا ہے کہ معاذ اللہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے پہلے بھی گناہ سرزد ہوتے رہے اور بعد میں بھی۔ اور خدا نے اس آیت میں ان کی بخشش کا وعدہ فرمایا ہے لیکن اعلیحضرت کے محتاط قلم نے عصمت انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کو ملحوظ رکھتے ہوئے ایسا ایمان افروز ترجمہ کیا ہے جو ان کے عدیم المثال فہم قرآن پر دلالت کرتا ہے۔ اعلیحضرت کا ترجمہ ملاحظہ فرمایئے۔

"بے شک ہم نے تمہارے لیے روشن فتح فرما دی تاکہ اللہ تمہارے سبب سے گناہ بخشے تمہارے اگلوں کے اور تمہارے پچھلوں کے۔"

۱۔ اس آیت کے تفسیری حاشیہ میں صدر الافاضل سید نعیم الدین مراد آبادی نے تفسیر خازن اور تفسیر روح البیان کے حوالہ سے لکھا ہے کہ
"یعنی تمہاری بدولت اُمت کی مغفرت فرمائے۔"

۲۔ شیخ محی الدین ابن عربی نے بھی اس آیت کی یہی تفسیر ارقام فرمائی ہے۔
امام رازی اور شیخ صادی نے افادہ فرمایا: "اور تمہاری بدولت مسلمانوں کی مغفرت فرمائے" ان صورتوں میں قواعد عربیہ کے مطابق حذف مضاف ہے

۳۔ شیخ عبد الحق محدث دہلوی سے مستفاد ہوا۔ اس آیت میں اُمت

کے ذنوب کی نسبت آپ کی طرف کر دی ہے کیونکہ قوم کے افعال کی نسبت اس کے قائد کی طرف کر دیتے ہیں۔ چنانچہ لکھتے ہیں کہ فلاں جرنیل ہار گیا اور یہ اسناد مجاز عقلی ہے۔

۴۔ علامہ آلوسی لکھتے ہیں کہ

"یہاں مغفرت کا اطلاق اس چیز پر ہے جس کو حضور اپنی نظر عالی کے پیش نظر ذنب خیال فرماتے ہیں۔"

۵۔ شیخ ابو سعود لکھتے ہیں کہ

"حضور صلی اللہ علیہ وسلم بسا اوقات تشریعی ضرورتوں کے سبب سے افضل اور اولی امر کو ترک فرما دیتے تھے تاکہ معلوم ہو جائے کہ ان امور کا ترک کرنا بھی جائز ہے اور یہ مغفرت اس ترک کی طرف راجع ہے۔ اگرچہ یہ ترک معصیت نہیں ہے۔"

۶۔ علامہ بدر الدین عینی فرماتے ہیں کہ

"ابرار کی نیکیاں بھی مقربین کے ہاں گناہ کا حکم رکھتی ہیں جیسا کہ کہا جاتا ہے "حسنات الابرار سیئات المقربین" اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے ایسے امور کی مغفرت کا اعلان کر دیا۔"

۷۔ حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ

"نہ آپ نے کوئی گناہ کیا ہے نہ کرنا ہے لیکن اگر بفرض محال کوئی گناہ ہو بھی تو اللہ تعالیٰ نے اس کی مغفرت کا اعلان فرما دیا ہے۔"

۸۔ قاضی عیاض لکھتے ہیں کہ

"جب "وما ادری ما یفعل بی ولا بکم" (نہ میں جانتا ہوں کہ میرے ساتھ کیا ہوگا نہ یہ کہ تمہارے ساتھ کیا ہوگا) نازل ہوئی تو

مشرکین نے خوشی کا اظہار کیا اور کہا ہمارا اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا حال برابر ہے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے کفار کے رد میں یہ آیت نازل فرمائی یعنی حضور کا انجام خیر معلوم ہے اور کفار کا حال بد۔ پھر برابری کیسی ؟"

۹۔ علامہ تاج الدین سبکی فرماتے ہیں کہ

"یہ اظہار مغفرت کا ایک کلمہ شریف ہے جیسے بادشاہ کسی وزیر کو خوش ہو کر کہہ دے جاؤ تمہارے سات خون معاف۔ بغیر اس بات کے کہ اس نے کوئی خون کیا ہو یا کرتا ہو۔ اسی طرح اللہ عزوجل نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر راضی ہو کر آپ کی مغفرت کا اعلان کر دیا بغیر اس امر کے کہ حضور علیہ الصلاۃ والسلام نے کوئی گناہ کیا ہو یا کرتا ہو۔"

۱۰۔ شیخ عزیز الدین ابن سلام لکھتے ہیں کہ

"تمام انبیاء علیہم السلام مغفور ہیں لیکن اللہ تعالیٰ نے کسی نبی کی مغفرت کا اعلان نہیں کیا۔ اسی سبب سے عرصۂ حشر میں ابتداءً انبیاء علیہم السلام لوگوں کی شفاعت نہیں کریں گے اور نفسی نفسی کہہ کر اپنی فکر کا اظہار کریں گے۔ اگر دنیا میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مغفرت کا اعلان نہ ہوتا تو ممکن تھا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام بھی شفاعت کرنے میں تامل فرماتے اس سبب سے اللہ تعالیٰ نے دنیا ہی میں آپ کی مغفرت کا اعلان کر کے آپ کو تسلی دے دی تاکہ آپ روزِ محشر اپنی طرف سے بے فکر اور مطمئن ہو کر اُمت کی شفاعت کر سکیں۔"

۱۱۔ علامہ جلال الدین سیوطی فرماتے ہیں کہ

"مغفرت کے معنی ستر ہیں اور ہمارے حق میں مغفرتِ ذنوب کا مطلب

یہ ہے کہ اللہ تعالےٰ ہماری ذوات اور ہمارے عذاب کے درمیان اپنی
رحمت کو حائل کردے اور انبیاء علیہم السلام کے حق میں مغفرت ذنوب
کا مفہوم یہ ہے کہ ان کی ذوات اور ان کے مفروضہ گناہوں کے
درمیان اللہ تعالےٰ اپنی عصمت اور حفاظت کو حائل کردے۔ اس اعتبار
سے اس آیت کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالےٰ نے آپ کی اگلی اور پچھلی
زندگی کو گناہوں سے معصوم اور محفوظ کر دیا۔"

۱۲۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام عصمت کے باوصف امتثال امر اور تواضع
کی وجہ سے کثرت سے استغفار کیا کرتے تھے حتیٰ کہ ایک دن میں
ستر سے زائد مرتبہ استغفار کرتے تھے تو اللہ تعالےٰ نے اظہار اجابت
کے لیے یہ آیت نازل فرمائی۔

۱۳۔ سیدی عبدالعزیز دباغ نے افادہ فرمایا کہ
"معصیت کا سبب اللہ تعالےٰ سے غفلت ہے جب بندے اور خدا کے
درمیان غلبۂ شہوت، غلبۂ غضب یا غلبۂ حرص کے حجابات حائل ہو جاتے
ہیں تو وہ معصیت میں مبتلا ہو جاتا ہے اسی طرح بندے کی جسمانی کثافت
بشری ہیولانیت اور ظلمات معصیت کے حجابات بھی اس کے اور خدا
کے درمیان حائل ہوتے رہتے ہیں جس کی وجہ سے وہ مغفرت الٰہی
سے بے بہرہ، حضور و شہود سے غافل اور کسب معصیت میں اندھا
ہو جاتا ہے اور انبیاء علیہم السلام کی ذوات قدسیہ اور اللہ عزوجل
کی ذات کے درمیان یہ حجاب نہیں ہوتے اسی وجہ سے وہ جمال ذات
کے محرم اسرار اور صفات سے واقف اور شہود و حضور میں مستغرق
ہوتے ہیں جیسا کہ

نیز سیدی عبدالعزیز دباغ فرماتے ہیں کہ

"نجس اور متعفن کپڑے پر آکر مکھیاں بیٹھتی ہیں اگر کپڑا نہ ہو تو مکھیاں بھی نہ ہوں گی اور یہ حجاب بمنزلہ کپڑا اور گناہ بمنزلہ مکھیاں ہوتے ہیں پس جب انبیاء علیہم السلام اور خدا کے درمیان حجاب نہ رہا تو گناہ بھی نہ رہا اور یہ رفع حجاب حسب مراتب ہوتا ہے۔"

پھر فرماتے ہیں :

"غفر کا معنی ہمارے حق میں ستر ذنوب اور انبیاء علیہم السلام کے حق میں عدم ذنوب ہوتا ہے۔"

اس تمہید کے بعد آیت زیر نظر کا مطلب بیان فرماتے ہیں کہ

"اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِيْنًا" پیارے ہم نے اپنے اور تمہارے درمیان کسی قسم کا کوئی حجاب نہیں رکھا۔ اور فتح مبین کر دی ہے تاکہ تم ہمیشہ مشاہدۂ ذات وصفات میں مستغرق اور منہمک رہو اور تمہاری زندگی گذشتہ ہو یا آئندہ اس میں کسی قسم کی کوئی خطا راہ نہ پا سکے نہ اجتہاداً نہ عمداً۔"

۱۴۔ گناہ کا سبب نفس اور اس کے تقاضوں سے اندھا دھند محبت کرنا ہے۔

جب انسان اور اس کے اعمال کے درمیان محبت نفس آتی ہے تو معصیت جنم لیتی ہے اور نیکی کا سبب اللہ اور اس کے احکام سے بے اندازہ محبت ہے جب انسان محبت الٰہی سے سرشار ہوتا ہے تو اسے ہر گناہ سے نفرت اور نیکی سے الفت ہو جاتی ہے پھر نفس کے تقاضوں کو پورا کرنا مشکل اور شریعت کی دشوار گزار راہوں میں آبلہ پا چلنا آسان ہو جاتا ہے۔ جب دل اس کی یاد سے معمور اور آنکھیں جلووں سے مخمور ہوں تو انسان اس

کی خاطر سر کٹا سکتا ہے لیکن خواہش کے آگے سر جھکا نہیں سکتا۔ تو
آیت کا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ہم نے آپ کے لیے اپنی محبت
کی راہوں کو کشادہ کر دیا تاکہ آپ کی زندگی کے کسی حصہ میں کوئی
ایسا عمل نہ آنے پائے جو محروم محبت کا ثمرہ ہو۔

آیت نمبر ۴۲: —— وَالنَّجْمِ اِذَا هَوٰى ۙ (النجم - ۱)

ترجمہ مولوی محمود الحسن: —— قسم ہے تارے کی جب گرے۔

ترجمہ مولوی اشرف علی تھانوی: —— قسم ہے (عالم) ستارہ کی جب وہ غروب ہونے لگے۔

ترجمہ ابوالاعلیٰ مودودی: —— قسم ہے تارے کی جبکہ وہ غروب ہوا۔

مندرجہ بالا تراجم میں ستارے گرنے یا غروب ہونے کا بیان ہے جس کی کنہ اور حقیقت تک پہنچنا عام قاری کے لیے ناممکن کی حد تک مشکل ہے۔

نیز ان تراجم سے کلام خداوندی کی جامعیت و بلاغت اور مقام مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی رفعت و عظمت بھی واضح نہیں ہوتی۔ لیکن اعلیٰحضرت کا ترجمہ ایسا جامع، واضح اور بلیغ ہے کہ کوئی انصاف پسند اہل ذوق اس کی داد دیئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ ترجمہ انتہا درجہ کی عقیدت و محبت کا مرقع نظر آتا ہے۔ "نجم" کے مطلب کے ساتھ اس کی مراد بھی واضح کر دی گئی ہے۔ چونکہ سورہ النجم میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سیر آسمانی (معراج جسمانی) کا ذکر ہے اس لیے (مذکورہ ترجمہ کے مطابق) ذکر معراج سے ہی ابتداء کی گئی ہے اس طرح حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی جلالت و عظمت نمایاں ہو جاتی ہے جسے ایک عام قاری بھی بآسانی سمجھ سکتا ہے اور یہی تفسیر حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ سے منقول ہے (کما فی المظہری والمعالم وغیرہما) مذکورہ آیت کا ترجمہ اعلیٰحضرت بریلوی نے اس طرح کیا ہے۔

"اس پیارے چمکتے تارے محمدؐ کی قسم جب یہ معراج سے اترے۔"

آیت نمبر ۳۳: یٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ اِنِ اسْتَطَعْتُمْ اَنْ تَنْفُذُوْا مِنْ اَقْطَارِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ فَانْفُذُوْا ؕ لَا تَنْفُذُوْنَ اِلَّا بِسُلْطٰنٍ ۚ (الرحمٰن - ۳۳)

ترجمہ مولوی اشرف علی تھانوی: ——— "اے گروہ جن اور انسان کے اگر تم کو یہ قدرت ہے کہ آسمان اور زمین کی حدود سے کہیں باہر نکل جاؤ (تو ہم بھی دیکھیں) نکلو مگر بدون زور کے نہیں نکل سکتے (اور زور ہے نہیں۔"

ترجمہ اعلیٰحضرت: ——— "اے جن وانس کے گروہ اگر تم سے ہو سکے کہ آسمانوں اور زمین کے کناروں سے نکل جاؤ تو نکل جاؤ جہاں نکل کر جاؤ گے اسی کی سلطنت ہے۔"

تھانوی صاحب کے مندرجہ بالا ترجمہ سے تاثر ملتا ہے کہ انسان کرۂ ارض سے باہر نہیں نکل سکتا۔ حالانکہ آج سے چند سال پہلے یہ ثابت ہو چکا ہے کہ انسان کرۂ ارض سے باہر نکل کر چاند پر جا پہنچا ہے۔ اس قسم کے ترجموں سے نئ نژادوں کے اذہان میں اسلام کے خلاف شکوک وشبہات جنم لیتے ہیں۔ کیونکہ انہوں نے قرآن کریم کو ترجمہ کی وساطت سے سمجھنا ہے اور جب سائنس کے مشاہدات وتجربات کے خلاف ان کو ترجمہ نظر آئے گا۔ تو قرآن حکیم پر ان کا ایمان وایقان متزلزل ہو جائے گا۔ اعلیحضرت نے اس آیت کا جو ترجمہ کیا ہے۔ وہ ہر قسم کے شک و شبہ سے بالا ہے۔ اسے پڑھ کر قرآن مجید پر ایمان تازہ ہو جاتا ہے اور یہ معلوم ہوتا ہے کہ سائنس نے کائنات کے جن سربستہ رازوں سے اب پردہ اٹھایا ہے قرآن حکیم نے چودہ سو سال پہلے ان کی طرف اشارہ کر دیا تھا۔ اعلیحضرت کے ترجمہ

کا مفاد یہ ہے کہ انسان زمین کے کناروں سے تو باہر نکل سکتا ہے۔ لیکن اللہ کی سلطنت سے باہر نہیں نکل سکتا۔ پس انسان چاند چھوڑ کر مریخ پر بھی جا پہنچے تو اس ترجمہ کی روشنی میں قرآن کا خلاف لازم نہیں آتا۔

آیت نمبر ۳۴: وَمَرْيَمَ ابْنَتَ عِمْرَانَ الَّتِيٓ اَحْصَنَتْ فَرْجَهَا۔

(التحریم - ۱۲)

ترجمہ مولوی محمود الحسن: ——— "اور مریم بیٹی عمران کی جس نے روکے رکھا اپنی شہوت کی جگہ کو۔"

ترجمہ اعلیٰ حضرت: ——— "اور عمران کی بیٹی مریم جس نے اپنی پارسائی کی حفاظت کی۔"

یہ آیت حضرت مریم علیہا السلام کی عصمت و تقدیس کے سلسلہ میں وارد ہوئی ہے۔ اب دونوں تراجم پر نظر ڈالیے۔ مولوی محمود الحسن کا ترجمہ بلاشبہ درست لفظی ترجمہ ہے لیکن ہر زبان کا اپنا اپنا انداز و اسلوب بیان ہوتا ہے۔ مترجم کا فرض ہے کہ وہ اصل زبان کا صحیح مفہوم سمجھ کر اسے اس زبان کے اسلوب بیان میں ڈھالے جس میں وہ عبارت کو منتقل کر رہا ہے۔ عربی زبان میں "حصن" کا لفظ محفوظ کرنے، روکنے اور قلعہ کے معنوں میں آتا ہے لیکن یہ تمام معانی اس امر پر دلالت کرتے ہیں کہ اس کے بنیادی معنی حفاظت کے ہیں۔ اعلیٰحضرت بریلوی نے بھی اسی کو ترجیح دی ہے۔ "فرج" کے لفظی معنی بلاشبہ جائے شہوت ہیں لیکن اُردو میں یہ لفظی ترجمہ کچھ زیب نہیں دیتا۔ اعلیٰحضرت بریلوی نے مرادی ترجمہ کیا ہے اس میں عربی کی اصل روح بھی برقرار ہے اور اُردو زبان کا احترام پسندانہ اسلوب بھی قائم ہے۔

آیت نمبر ۳۵: وَوَجَدَكَ ضَآلًّا فَهَدٰىۖ (الضحیٰ - ۷)

ترجمہ مولوی محمود الحسن : "اور پایا تجھ کو بھٹکتا پھر راہ سجھائی۔"

مولوی محمود الحسن کے ترجمہ میں لفظ "بھٹکنا" قابلِ غور ہے ذیل میں اردو کی چند مستند لغتوں سے اس کے معنی درج کیے جاتے ہیں۔

بھٹکنا: —— گمراہ ہونا۔ راہ بھولنا۔ بے راہ چلنا۔ آوارہ ہونا۔ سرگشتہ ہونا۔ ڈانواں ڈول ہونا۔
(فرہنگ آصفیہ)

بھٹکنا: —— گمراہ ہونا۔ راہ بھولنا۔ بے راہ چلنا۔ آوارہ ہونا۔ سرگشتہ ہونا۔ ڈانواں ڈول ہونا۔
(نور اللغات)

بھٹکنا: —— گمراہ ہونا۔ رستہ بھولنا۔ بے راہ ہونا۔ آوارہ ہونا۔
(جامع اللغات)

مترجم نے ایک لفظی معنی کے پیچھے پڑ کر یہ نہ سوچا کہ ان کے قلم سے کس عظیم القدر ہستی کا دامن عصمت چاک ہو رہا ہے۔ ایک لفظ کے ہر جگہ ایک معنی نہیں ہوتے۔ ضال کے معنی گمراہ کے بھی ہیں لیکن اس کے معنی کسی امر کی طلب اور محبت میں محو ہو جانے کے بھی ہیں جیسا کہ قرآن حکیم میں حضرت یعقوب علیہ السلام کے بارے میں آتا ہے۔

قَالُوا تَاللّٰهِ اِنَّكَ لَفِیْ ضَلٰلِكَ الْقَدِیْمِ ۝ (یوسف - ۹۵)

ترجمہ: "بیٹے بولے خدا کی قسم آپ اپنی اسی پرانی خود رفتگی میں ہیں۔"

یہاں حضرت یوسف علیہ السلام کی محبت میں محویت کو ضلال کہا گیا ہے اسی طرح عربی زبان میں آتا ہے۔ "ضل الماء فی اللبن" "پانی دودھ میں مل گیا" البتہ سوال صرف یہ رہ جاتا ہے کہ کیوں ہم یہاں گمراہ کے معنی نہ لیں اور کیوں محبت میں محو اور خود رفتہ کے معنی لینے کے لیے ہم مجبور ہیں اس کی وجہ اور دلیل یہ ہے کہ جس کتاب نے حضور سید الکونین صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق یہ اعلان

کیا ہو کہ

مَاضَلَّ صَاحِبُکُمْ وَمَا غَوٰی ۚ (النجم - ۲)

ترجمہ: "تمہارے صاحب نہ بہکے نہ بے راہ چلے۔"

تو پھر وہی کتاب یہ کس طرح کہہ سکتی ہے کہ "تجھ کو بھٹکتا پایا۔" لہذا یہ معنی قطعاً غلط ہیں۔ امام رازی، امام راغب اصفہانی، علامہ سلیمان جمل، علامہ صاوی اور شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی نے لکھا ہے کہ ضلالت کا استعمال محبت کیلئے بھی ہوتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اعلیحضرت بریلوی نے آیت زیر بحث کے ترجمہ میں اپنی بے مثال لغت دانی اور محبت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا عظیم ترین ثبوت دیا ہے۔

اعلیحضرت کا ترجمہ ملاحظہ فرمایئے۔

"اور تمہیں اپنی محبت میں خود رفتہ پایا تو اپنی طرف راہ دی۔"

کنزالایمان کے ادبی کمالات

پچھلے صفحات میں انتہائی اختصار سے تراجم قرآن کے تقابلی مطالعہ کے سلسلہ میں چند آیات کے تراجم بطور مشتے نمونہ از خروارے پیش کئے گئے ہیں اور یہ ثابت کیا گیا ہے کہ اعلیٰحضرت بریلوی کا ترجمہ علمی، لغوی اور اعتقادی لحاظ سے باقی تراجم پر فوقیت رکھتا ہے۔

اب ذرا اعلیٰحضرت کے ترجمہ کے ادبی کمالات پر بھی ایک نظر ڈال لیجئے اور یہ ذہن میں رکھئے کہ جن حضرات کے تراجم تقابل کے طور پر پیش کئے گئے ہیں۔ اعلیٰحضرت نے ان سے بہت پہلے یہ ترجمہ تحریر کیا ہے۔ اس دور میں اردو اس قدر ترقی یافتہ زبان نہیں تھی جتنی آج ہے مگر انہوں نے جو کچھ برسوں پیشتر لکھا ہے اسے پڑھ کر یوں معلوم ہوتا ہے جیسے کوئی آج کا ادیب ترجمہ تحریر کر رہا ہے۔

بخوف طوالت صرف چند آیات کے تراجم پیش کئے جاتے ہیں۔ ناظرین خود اندازہ کریں گے کہ اعلیٰحضرت کے ترجمہ میں کتنے ادبی اوصاف موجود ہیں اور انہوں نے اپنے کوثر و تسنیم سے دھلے ہوئے قلم سے کتنا پاکیزہ ترجمۂ قرآن اردو کے حوالے کرکے اس کے احساس تہی مائیگی کو ختم کر دیا ہے اور اس طرح مشہور صوفی شاعر اور عارف باللہ جناب خواجہ میر درد دہلوی علیہ الرحمۃ کی درج ذیل پیشگوئی کا صحیح مصداق ثابت ہوئے:۔

اے اردو! گھبرانا نہیں تو فقیروں کا لگایا ہوا پودا ہے
خوب پھلے پھولے گی تو پروان چڑھے گی۔ ایک زمانہ

ایسا آئے گا کہ قرآن وحدیث تیری آغوش میں آکر آرام

کریں گے"۔

(میخانۂ درد صفحہ ۱۵۳ مولفہ سید ناصر نذیر فراق دہلوی)

تراجم قرآن کے تقابلی مطالعہ کے سلسلہ میں ذیل میں چند آیات کے ترجمے ملاحظہ فرمائیے۔

آیت نمبر ۱:- وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ ط (البقرہ-۳۰)

ترجمہ مولوی اشرف علی تھانوی :- "اور ہم برابر تسبیح کرتے رہتے ہیں۔

بحمداللہ اور تقدیس کرتے رہتے ہیں"۔

ترجمہ اعلیٰحضرت بریلوی :-—— "ہم تجھے سراہتے ہوئے تیری تسبیح کرتے

اور تیری پاکی بولتے ہیں"

آیت نمبر ۲ :- —— يُعَلِّمُكَ مِنْ تَاوِيْلِ الْاَحَادِيْثِ

(یوسف - ٦)

ترجمہ مولوی محمود الحسن :- —— "سکھلائے گا تجھ کو ٹھکانے پر لگانا باتوں کا"۔

ترجمہ اعلیٰحضرت بریلوی :- —— "تجھے باتوں کا انجام نکالنا سکھائے گا"۔

آیت نمبر ۳ :- —— سُوْرَةٌ اَنْزَلْنٰهَا وَفَرَضْنٰهَا وَ

اَنْزَلْنَا فِيْهَآ اٰيٰتٍ بَيِّنٰتٍ

(النور - ۱)

ترجمہ مولوی محمود الحسن :- —— "یہ ایک سورت ہے کہ ہم نے اتاری اور

ذمہ پر لازم کی اور اتاریں اس میں باتیں صاف"

ترجمہ اعلیٰحضرت بریلوی :- —— "یہ ایک سورت ہے کہ ہم نے اتاری اور ہم

نے اس کے احکام فرض کئے اور ہم نے اس

میں روشن آیتیں نازل فرمائیں"۔

آیت نمبر ۴ : —————— وَقَالَ الرَّسُوْلُ يٰرَبِّ اِنَّ قَوْمِي اتَّخَذُوْا هٰذَا الْقُرْاٰنَ مَهْجُوْرًا ٥ (الفرقان - ۳۰)

ترجمہ مولوی محمود الحسن : —————— اور کہا رسول نے اے میرے رب میری قوم نے ٹھہرایا ہے اس قرآن کو جھک جھک "

ترجمہ اعلیحضرت بریلوی : —————— اور رسول نے عرض کی کہ اے میرے رب میری قوم نے اس قرآن کو چھوڑنے کے قابل ٹھہرالیا"

آیت نمبر ۵ : —————— فَسَوْفَ يَكُوْنُ لِزَامًا ٥ (الفرقان - ۷۷)

ترجمہ مولوی محمود الحسن : —————— اب آگے کو ہونی ہے مٹھ بھیڑ"

ترجمہ اعلیحضرت بریلوی : —————— "تو اب ہوگا وہ عذاب کہ لپٹ رہے گا"

آیت نمبر ۶ : —————— وَاذْكُرْ عِبٰدَنَآ اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ اُولِي الْاَيْدِيْ وَالْاَبْصَارِ ٥

(ص - ۴۵)

ترجمہ مولوی محمود الحسن : —————— "اور یاد کر ہمارے بندوں کو ابراہیم اور اسحٰق اور یعقوب ہاتھوں والے اور آنکھوں والے"

ترجمہ مولوی اشرف علی تھانوی : —————— "اور ہمارے بندوں ابراہیم اور اسحٰق اور یعقوب کو یاد کیجئے جو ہاتھوں والے اور آنکھوں والے تھے"

ترجمہ اعلیحضرت بریلوی : —————— "اور یاد کرو ہمارے بندوں ابراہیم اور اسحٰق اور یعقوب قدرت اور علم والوں کو"

آیت نمبر ۷ : —————— اِنَّ الْاِنْسَانَ خُلِقَ هَلُوْعًا ٥ (المعارج - ۱۹)

ترجمہ مولوی محمود الحسن : —————— "بے شک آدمی بنا ہے جی کا کچا"

ترجمہ اعلیحضرت بریلوی : —————— "بے شک آدمی بنایا گیا ہے بڑا بے صبرا حریص"

آیت نمبر ۸ : ——————— وَحَدَآئِقَ غُلْبًا (عبس - ۳۱)

ترجمہ مولوی محمود الحسن : ——————— "اور گھن کے باغ"

ترجمہ اعلیحضرت بریلوی : ——————— "اور گھنے باغیچے"

آیت نمبر ۹ : ——————— وَاِذَا الْوُحُوْشُ حُشِرَتْ (التکویر - ۵)

ترجمہ مولوی محمود الحسن : ——————— "اور جب جنگل کے جانوروں میں رول پڑ جائے"

ترجمہ اعلیحضرت بریلوی : ——————— "اور جب وحشی جانور جمع کئے جائیں"

آیت نمبر ۱۰ : ——————— فِیْهَا كُتُبٌ قَیِّمَةٌ (البینۃ - ۳)

ترجمہ مولوی محمود الحسن : ——————— "اس میں لکھی ہیں کتابیں مضبوط"

ترجمہ اعلیحضرت بریلوی : ——————— "ان میں سیدھی باتیں لکھی ہیں"

جیسا کہ ابتدا میں عرض کیا گیا ہے یہ ایک وسیع موضوع ہے جس پر تفصیلی بحث کسی آئندہ فرصت میں ہو سکتی ہے ؎

دکھاؤں گا تماشا دی اگر فرصت زمانہ نے
میرا ہر داغِ دل اک تخم ہے سروِ چراغاں کا

بہرحال ان چند مثالوں سے یہ حقیقت اظہر من الشمس ہو جاتی ہے کہ اعلیحضرت بریلوی علیہ الرحمۃ قرآن میں غیر معمولی بصیرت رکھتے تھے۔ اعلیحضرت بریلوی کا شمار عالم اسلامی کے ان خواص علما میں ہوتا ہے جن کی قامت پر رسوخ فی العلم کی قبا راست آتی ہے۔ قرآن کریم سے ان کو غیر معمولی شغف تھا۔ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے کلام میں برسوں تدبر کیا۔ اسی مسلسل تدبر و تفکر کا نتیجہ تھا کہ اعلیحضرت کو قرآن پاک سے خاص مناسبت ہو گئی۔ ان کا ترجمۂ قرآن ان کے برسوں کے فکر و تدبر کا نچوڑ ہے جس کی چند جھلکیاں پچھلے صفحات میں پیش کی گئی ہیں۔ ؎

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

از نیاز فتحپوری

اِستغفِر لِذَنبِکَ

کے لغوی معنی

جناب محترم ادیب اہل سنّت ملک شیر محمد خان اعوان مدّ ظلہ العالی کا مقالہ محاسنِ کنز الایمان" کتابت ہو چکا تھا کہ اسی سلسلے میں نیاز فتحپوری کی ایک تحریر سامنے آگئی جسے بطورِ ضمیمہ رسالہ ہٰذا میں شامل کرنا مناسب سمجھا گیا۔

جناب نیاز فتحپوری اردو زبان کے مسلّم ادیب تھے اور مذہب ان کا آزاد تھا اور اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ وہ ملحد تھے بہر حال اللہ تعالیٰ اور اس کے پیارے حبیب حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ان کا تعلق ہرگز ہرگز ایسا نہیں تھا جیسا کہ ایک مسلمان کا ہوتا ہے ـــــــ بایں ہمہ جب ان کے سامنے استغفر لذنبک کے دیوبندی معنے پیش کئے گئے تو انہوں نے اس کے خلاف رائے دی۔ مقام صد افسوس ہے کہ اپنی قرآن فہمی اور اپنی دینی خدمات کا ڈھنڈورا پٹوانے والوں اور اپنے زہد و تقویٰ کے چرچے کروانے والوں کے اذہان اس طرف کیوں نہیں گئے؟ اور کیا وجہ ہے کہ نیاز جیسے رِند ادیب کا فکر ان "صالحین" سے بازی لے گیا؟

ذیل میں نیاز صاحب سے سائل (سید ذکی الدین) کا سوال اور نیاز صاحب کا جواب درج ہے نیاز صاحب نے جو جواب دیا ہے اس کا آخری حصہ اگرچہ اعلیحضرت فاضل بریلوی قدس سرہ۔

کے ترجمہ سے ہم آہنگ نہیں لیکن انہوں نے یہ تسلیم کیا ہے کہ تھانوی صاحب کا ترجمہ لغوی اعتبار سے بالکل غلط ہے۔

مقبول احمد قادری رضوی ضیائی

ذنب و استغفار

(سید ذکی الدین۔ کلکتہ)

قرآن پاک میں کئی جگہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے خطاب کر کے کہا گیا ہے کہ "استغفر لذنبک" اور ذنب کے معنی گناہ کے ہیں۔ مولانا اشرف علی تھانوی نے بھی اس کے معنی گناہ لکھے ہیں لیکن اسی کے ساتھ یہ بھی کہتے ہیں کہ مجازاً گناہ کہہ دیا ہے اور یہ نہیں بتایا گیا کہ اگر ذنب بہ معنی گناہ مجازی معنی میں مستعمل ہوا ہے تو اس کا حقیقی مفہوم کیا ہے۔

○

(نگار) لفظ ذنب اور اس کی جمع ذنوب قرآن مجید میں متعدد جگہ استعمال ہوا ہے اور اس میں شک نہیں کہ اس کا ترجمہ گناہ ہی کیا جاتا ہے۔ عربی میں ذنب کے علاوہ اور بھی چند الفاظ ہیں جو قریب قریب اسی کے ہم معنی ہیں جیسے جرم، اثم، معصیت لیکن میں سمجھتا ہوں کہ ان سب کے معنی میں فرق ہے جو محل استعمال سے تعلق رکھتا ہے۔

اس سلسلہ میں صرف لفظ ذنب ہی نہیں بلکہ لفظ استغفار بھی قابل غور ہے۔ کیونکہ استغفار کے معنی بھی عام طور پر توبہ سمجھے جاتے ہیں اور اس طرح استغفر لذنبک کے معنی یہ ہو جاتے ہیں کہ "اپنے گناہ سے توبہ کرو" اور اس سے یقیناً یہ خیال پیدا ہو سکتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے گناہ بھی سرزد ہو سکتا ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ جس حد تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا تعلق ہے استغفار اور ذنب دونوں کا مفہوم وہ نہیں ہے جو عام طور پر سمجھا جاتا ہے۔

سب سے پہلے اصولی طور پر یہ دیکھنا چاہیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق یہ خیال کرنا کہ وہ ذنب یعنی گناہ کے مرتکب ہوتے تھے کس حد تک درست ہو سکتا ہے جس وقت ہم قرآن پاک کی ان آیات پر غور کرتے ہیں جن سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کردار و اخلاق پر روشنی پڑتی ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ آپ کسی گناہ کا مرتکب ہو نہیں سکتے تھے جس کے متعلق یہ کہا گیا ہو کہ لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُوْلِ اللهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ (الاحزاب-۲۱) اور مَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى (النجم-۳،۴) وہ کیونکر کسی گناہ کا مرتکب ہو سکتا تھا۔

اب آپ ان آیات پر غور کریں جن میں ذنب اور استغفار ذنب کا ذکر کیا گیا ہے۔

سورہ مومن میں ارشاد ہوتا ہے :-

فَاصْبِرْ إِنَّ وَعْدَ اللهِ حَقٌّ وَّاسْتَغْفِرْ لِذَنْبِكَ وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ بِالْعَشِيِّ وَالْإِبْكَارِ (مومن-۵۵)

سورہ محمد میں ارشاد ہوتا ہے :-

فَاعْلَمْ أَنَّهٗ لَآ إِلٰهَ إِلَّا اللهُ وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْبِكَ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ (محمد-۱۹)

سورہ فتح میں ارشاد ہوتا ہے :-

إِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِيْنًا لِّيَغْفِرَ لَكَ اللهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ وَيُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكَ (فتح-۱،۲)

اسی طرح سورہ نصر میں ارشاد ہوتا ہے :-

إِذَا جَآءَ نَصْرُ اللهِ وَالْفَتْحُ وَرَأَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُوْنَ فِيْ دِيْنِ اللهِ أَفْوَاجًا فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ إِنَّهٗ كَانَ تَوَّابًا

اس قدر عجیب بات ہے کہ یہ تمام آیات وہ ہیں جن میں غلبہ اسلام و فتح اسلام کی

بشارت دی گئی ہے اور اس کا کوئی موقع ہی نہیں کہ اس سلسلہ میں استغفار اور ذنب کے وہ معنی لئے جائیں جو عام طور سے سمجھے جاتے ہیں۔

استغفار کا مادہ غفر ہے جس کے معنی ڈھانپنے یا کسی چیز کو کسی جگہ محفوظ کر دینے کے ہیں اس کا مفہوم توبہ قرار دینا درست نہیں۔ اب لفظ ذنب کو لیجئے عربی میں ذنب بفتح نون کے معنے پیچھے چلنے اور اتباع کرنے کے ہیں اور یہ مفہوم کسی نہ کسی طرح اس کے تمام مشتقات میں پایا جاتا ہے۔ چنانچہ ذنب کے معنی بھی نتیجتہً فعل یا فروگذاشت کے ہوں گے جو جرم، گناہ یا معصیت کے مفہوم سے بالکل علیحدہ ہے جن آیات کا ذکر کیا گیا ہے ان پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان میں جہاں جہاں استغفار اور ذنب کا ذکر ہے اس سے مراد یہ ہے کہ غلبۂ اسلام و فتوحات اسلام کے سلسلہ میں اس کے نتائج کی بہتری اور انسانی کمزوریوں کی وجہ سے جو فروگذاشت ہو جائے اس کی تلافی کی دعا کریں۔

(نگار۔ کراچی۔ جون ۱۹۶۲ء
ص ۳۲۔ ۳۳)

قطعہ تاریخ وصال

اعلیٰ حضرت امام اہل سنت فاضل بریلوی قدس سرہ

نتیجۂ فکر

حضرت مولانا غلام احمد اخگر امرتسری رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۳۴۶ھ)

خلیفۂ حضرت امیرِ ملت پیر سید جماعت علی شاہ علی پوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

حامیِ دینِ متین احمد رضا — رفت از دنیا سوئے خلدِ بریں
ایں جہاں از رفتنش تاریک شد — شد غروب آں آفتابِ علم دیں
واصف و شیدائے محبوبِ خدا — قاطعِ اعناقِ جملہ ملحدیں
وا دریغا رفت زیں دارِ فنا — مومناں زاندوہ و غم زار و حزیں

گفت اخگر بہرِ تاریخِ وصال

"نادر العصر آفتابِ علم و دیں"

۱۳۴۰ھ

ولہ

وصلِ حق چوں رضائے احمد یافت — قدوۂ عالمانِ بر و بحر
کلکِ اخگر نوشت سالِ وفات — "زبدۂ مومنین و فاضل دہر"

۱۳۴۰ھ

راقم الفقیہ امرتسر ۲۰ دسمبر ۱۹۲۱ء

میرے کریم سے گر قطرہ کسی نے مانگا

دریا بہا دیئے ہیں دُر بے بہا دیئے ہیں

مُلکِ سخن کی شاہی تم کو رضاؔ مُسلّم

جس سمت آگئے ہو سکّے بٹھا دیئے ہیں